قرآن وحدیث کی روشنی میں اصل حقیقت

شہداء

و

مظلوم کربلا

امامنا فی الدین

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ

نیز شیعہ کے متفرق سوالات اور ان کے جوابات

مؤلفہ :

شیخ الحدیث والتفسیر حضرۃ مولانا

علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ

سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ صاحب نیلوی کی وضاحت

شیخ التفسیر والحدیث

بعض لوگوں نے خدا معلوم کس عداوت کی بنا پر مجھ پر ہر کوچہ ہر بازار میں یہ الزام لگایا ہے کہ حضرت سیدنا امامنا فی الدین امام حسینؓ بن علی رضی اللہ عنہما کے بارے میں نے گستاخی کی ہے اور یہ کہتا ہے کہ آج کا جنرل ضیاء الحق معاذ اللہ سیدنا حسینؓ سے بہتر ہے لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔ میں جنرل ضیاء الحق تو کجا پوری امت کو بھی سیدنا حسینؓ سے کم تر سمجھتا ہوں' میرا ہرگز یہ عقیدہ نہیں بلکہ میں ایسے عقیدہ کو کفر اور اس عقیدہ والوں کو کافر سمجھتا ہوں۔

حضرت امامنا فی الدین امام حسین رضی اللہ عنہ کی منقبت اور عظمت میں مظلوم کربلا کا مکمل مطالعہ کیا جائے۔

مظلوم کربلا صفحہ ۱۰۰ میری عبارت پر اعتراض کیا گیا حالانکہ اس صفحہ کو مکمل پڑھ لیں میں نے اسے تاریخ کی غلطی بتایا ہے کہ تاریخ والے جھوٹ بولتے ہیں جو وہ کہتے ہیں کہ ۸ ذی الحجہ جو حج کا عین موقعہ تھا روم وفارس وغیرہ کے لوگ تو دور دراز سے مکہ مدینہ جا رہے ہیں اور نواسہ رسول اللہ حج چھوڑ کر مکہ سے کوفہ جا رہے ہیں۔ یہ بیان غلط ہے ہم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ حضرت امام حسینؓ کے بارے یہ نظریہ کیونکر قائم کیا جا سکتا ہے؟ کہ برکت اور قبولیت دعا کا وقت اور جگہ چھوڑ کر وہاں جائیں جہاں اُن کے والد ماجد حضرت علی کرم اللہ وجہہ شہید کر دیئے گئے تھے۔

یہ سب تاریخی غلطیاں ہیں ہم قرآن وسنت کے متبع ہیں تاریخ کوئی حجت نہیں۔

جیسا کہ مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ اپنی مشہور کتاب میں شہید کربلا کے صفحہ نمبر ۱۰ پر حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ

لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ تاریخ کی مستند روایات بھی تاریخ ہی کی حیثیت رکھتی ہیں۔ مستند تاریخ کا بھی وہ درجہ نہیں جو مستند ومعتبر احادیث کا کہ ان پر احکام عقائد وحلال وحرام کی بنیاد ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام بخاری جیسے نقاد حدیث کی تاریخ کبیر وصغیر کا وہ درجہ نہیں جو صحیح بخاری کا ہے۔

محمد حسین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العلمين و العاقبة للمتقين و الصلوٰة و السلام على سيدنا محمد وعلى اله و اصحابه اجمين۔

وهم السادة القادة الذين اشترو العقبیٰ بالدنيا و اقاموا الصلوٰة وآتوا الذكوٰة والذين اذا ذكر الله و جلت قلوبهم واذا تليت عليهم ايته زادتهم ايمانا وعلى ربهم يتوكلون الذين يقيمون الصلوٰة و مما رزقنا هم ينفقون اولئك هم المؤمنون حقا الذين لايدعون مع الله الهًا اخر و لا يقتلون النفس التى حرم الله الا بالحق ولا يذنون الذين لايشهدون الزور و اذا امرو اباللغو مرو اكراماً وقال تعالیٰ فی شانهم والذين امنوا واتبعتهم ذريتهم بايمان الحقنا بهم ذريتهم وما التنا هم من عملهم من شئ اما بعد

محترم قارئین کرام!

اسلام دین فطرت ہے جس کی بنیاد حضرت آدم علیہ السلام پر رکھی گئی اور محمد رسول اللہ ﷺ پر اسے پورا کیا گیا۔ اب اسلام میں نہ تو کسی طرح کی کمی ہو سکتی ہے اور نہ ہی کسی قسم کی زیادتی اور نہ ہی کسی ایسے شخص کو تسلیم کیا جا سکتا ہے جو قرآن کریم کے اسلامی تصورات کے خلاف کوئی دوسری راہ پیش کرے۔ اسلام میں نہ تو کوئی شخص بڑا ہے اور نہ ہی چھوٹا۔ جب کوئی شخص اسلام پر ایمان لے آتا ہے تو اس پر فرض عائد ہو جاتا ہے کہ وہ قرآن کریم کے احکام پر عمل کرے جو ربّ کائنات نے نسلِ انسانی کی فلاح و بہبود اور بہتری کے لئے صادر فرمائے ہیں۔

جو کوئی شخص خواہ وہ دنیاوی لحاظ سے بلند تر حیثیت کا مالک ہو یا وہ کسی نبی یا ولی اور کسی بہت بڑے بزرگ کا باپ یا بیٹا یا سُسر یا داماد یا نواسہ ہو۔ اگر قرآن کریم کے

اصولوں کے خلاف عمل کر رہا ہوگا یا محمد رسول اللہ ﷺ کے حکم اور عمل سے ہٹ کر کوئی دوسری راہ تجویز کر کے اس کی طرف لوگوں کو دعوت دے رہا ہوگا۔ اس شخص نے خود ساختہ راہ پر اسلام اور محمد رسول اللہ ﷺ کے نام کا لیبل بھی کیوں نہ لگا رکھا ہو۔ ایسا ہر شخص ہر حالت میں دینِ اسلام سے خارج ہے۔ اللہ تعالیٰ یومِ آخرت اور رسول اللہ ﷺ پر اور اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قرآن کریم پر ایمان رکھنے والے لوگ ایسے شخص کو کسی صورت بھی مسلمان سمجھنے کے لئے تیار نہیں ہو سکتے۔ مسلمان صرف وہی لوگ کہلانے کا حق رکھتے ہیں جو قرآن مجید پر پورا پورا ایمان رکھتے ہوں اور جس طرح محمد رسول اللہ ﷺ نے قرآن کو خود سمجھا، لوگوں کو سمجھایا، اور اس پر عمل کیا، لوگوں سے اس پر عمل کرایا، اپنی زندگی میں ہر مسئلہ پر اس کے مطابق حدود اللہ جاری کرنے کا حکم جاری فرمایا، دوسروں کو بھی اسی کے مطابق فتوے دیئے اور حدود اللہ جاری کیں، اور ان کے مطابق عمل کرتے ہوں،

اگر انبیاء علیہم السلام کی تاریخ کا ایک سرسری جائزہ لیں تو ہم یہ دیکھتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کی ساڑھے نو سو سال کی پیہم دعوت حق اور تبلیغ کا ان کی قوم پر رتی برابر اثر نہ ہوا تو سخت ملول ہو کر اور پریشان خاطر اپنے پروردگار سے ان کی ہلاکتوں کی تمنا کرتے ہوئے فرمایا: اے پروردگار! تو کافروں میں سے کسی کو بھی زمین پر باقی نہ چھوڑ اگر تو ان کو یوں ہی چھوڑ دے گا تو یہ تیرے بندوں کو بھی گمراہ کریں گے اور ان کی نسل بھی انہیں کی طرح نافرمان ہوگی (سورۂ نوح)

حضرت ہود علیہ السلام کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ پیش آیا انہوں نے قوم کو دھمکاتے ہوئے فرمایا: میں تمہارے اور بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں (الشعراء) قوم نے نہایت بیزاری سے کہا "اے ہود! ہم سے تیری روز روز کی نصیحتیں نہیں سنی جاتیں

ہم ایسے ناصح مشفق سے باز آئے اگر تو واقعی اپنے قول میں سچا ہے تو وہ عذاب جلد لاتا کہ ہمارا تیرا قصہ پاک ہو (الاعراف) اور بالآخر خدا تعالیٰ نے اس قوم کو بھی تباہ کر دیا۔

حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے بھی ان کے چند نصائح کو درخورِ اعتناء نہ سمجھا بلکہ تعجب سے کہا " کیا ہماری موجودگی میں اس پر (خدا کی) نصیحت اترتی ہے " سرکشی میں اس حد تک گزر گئی کہ ناقۃ اللہ کو ہلاک کر ڈالا۔ ناچار حضرت صالحؑ کو ان کیلئے بربادیاں مانگنی پڑیں اور وہ قوم برباد ہو گئی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اپنی سالہا سال کی جدوجہد کے باوجود کوئی قابلِ ذکر کامیابی حاصل نہ کر سکے بلکہ ان کی قوم نے یہاں تک کہہ دیا "اس ابراہیم کو جلا ڈالو اور اپنے دیوتاؤں کی مدد کرو اگر تم کرنا چاہتے ہو" (الصافات)

حضرت لوط علیہ السلام کے ساتھ ان کی قوم نے جیسا برتاؤ کیا وہ اس حد تک ناگفتہ بہ تھا کہ وہ قوم آپ کے مہمانوں تک کے ساتھ بداخلاقی پر تل گئی اور کسی طرح ان کو حیا، مروّت اور انسانیت کا پاس نہ تھا چنانچہ آپ نے نہایت رنجیدہ خاطر ہو کر فرمایا " کاش میرے پاس تم سے مقابلہ کرنے کی طاقت ہوتی یا پناہ ملتی کسی زبردست قوت کے ساتھ "

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرعون سے نجات دلائی، انھیں من و سلویٰ عطا فرمایا لیکن انہوں نے باقلا، ککڑی لہسن، مسور اور پیاز طلب کیا۔ آپ کی تبلیغ و ہدایت کے باوجود آپ کی غیر موجودگی میں بچھڑے کی پرستش شروع کر دی۔ پھر جب آپ نے انھیں فتح و غلبہ کی طرف رغبت دلائی تو صاف کہہ دیا کہ "اے موسیٰؑ! تم اور تمہارا خدا جاؤ اور لڑو ہم یہیں بیٹھے رہیں گے" (مائدہ)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی ساری زندگی میں صرف بارہ ہم خیال حواری پیدا

کئے ان میں سے بارہویں یہودا القریوتی نے انھیں پکڑوانے کی سازش کی۔

ان سب انبیاء علیہم السلام میں امام الانبیاء افضل الرسل حضور سرورِ کائنات ﷺ وہ کامران و بامراد رسول تھے جنہوں نے صبر وتحمل سے کام لیا اور اللہ جل شانہ نے امام الانبیاء سرورِ کائنات محمد رسول اللہ ﷺ کو جزیرہ نماء عرب کے اسی لاکھ ستائیس ہزار دوسو نانوے مربع میل پر دین اسلام کا غلبہ دیا اور وہاں پر خدا اور اس کے رسول کا حکم نافذ کیا۔

آپ ﷺ نے اپنے بعد دوستوں، ساتھیوں اور پیروؤں کی ایک ایسی عظیم الشان، مستقل مزاج اور مضبوط جماعت چھوڑی کہ امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیقؓ کے رحلت فرمانے تک جنوبی عراق اور شام کے سرحدی علاقوں کا مزید ۵۹۳،۷۵ مربع میل رقبہ مسلمانوں کی حکومت میں شامل ہو چکا تھا اور اسلام کا پرچم روئے زمین کے ۱،۵۲،۸۸۳ مربع میل پر لہراتا تھا۔

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ کے دورِ حکومت میں اللہ کے سپاہیوں نے شمالی عراق، بقیہ شام، اردن، ایران، لبنان اور مصر کے وسیع وعریض علاقوں کو اپنے گھوڑوں کی ٹاپوں سے روند ڈالا اور مزید ۴۵۶،۳،۱۲ مربع میل رقبہ فتح کرلیا۔

قیصر وکسریٰ کی مستحکم اور عظیم الشان حکومتیں صفحہ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹادی گئیں اور امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ کی شہادت تک مسلمان ۲۸۸،۴۵،۲۳ مربع میل رقبہ پر قابض تھے۔

امیر المؤمنین حضرت عثمان غنیؓ کے دورِ حکومت میں طرابلس الغرب، تیونس، مراکش، الجزائر، قبرص، طبرستان، خراسان، نجارستان، کرمان اور بجستان اہل ایمان کے قبضے میں آئے۔ اسلامی فوجوں نے کوہ ہندوکش تک یلغاریں کر کے مزید ۵۹۴،۲۵،۲۱ میل

مربع میل علاقہ فتح کر ڈالا اور خدا اور اس کے رسولؐ کا حکم ۴۴،۶۵،۸۸۶ مربع میل پر نافذ ہو گیا۔

اس کے بعد بنو اُمیہ کے جذبۂ ایمان اور خارا شگاف تلواروں نے اسلام کے ڈانڈے استنبول سے سندھ اور ملتان تک ملا دیئے۔

اس والہانہ خدا پرستی، بے نظیر قربانیوں اور محیّر العقول فتوحات پر ربّ العزت نے تمام اہل ایمان پر بار بار اپنی خوشنودی کا اظہار فرمایا ان سے حور و غلمان کے وعدے کئے گئے ان کو جنت کی بشارتیں دیں

چونکہ اسلام کی ان طوفانی یلغاروں اور عالمگیر فتوحات سے یہودیت، مجوسیت اور زرتشتیت کی بنیادیں ہل گئی تھیں اور ان میں اتنی سکت ہی نہ رہی تھی کہ وہ بزور شمشیر مسلمانوں سے اپنی ہزیمت کا انتقام لے سکیں اس لئے انہوں نے منافقانہ اور عیارانہ راہیں اختیار کیں بظاہر مسلمان ہو کر اہل ایمان میں شامل ہو گئے اور انہوں نے مسلمانوں میں بدگمانی اور منافرت پھیلائی۔ استحقاق خلافت کا فتنہ کھڑا کیا حُب علیؓ وحُب اہل بیت کی آڑ میں لاکھوں مسلمانوں کے گلے مسلمانوں ہی سے کٹوائے۔

خلفائے ثلثہ اور بنو اُمیہ پر لعن طعن کا آغاز کیا۔ چونکہ وہ اسلام کی صحیح صورت ہی بگاڑ دینا چاہتے تھے اس لئے انہوں نے خدا پرستوں میں شخصیت پرستی کی وبا پھیلائی۔ حضرت علیؓ کے ایسے الٰہیاتی اوصاف بیان کئے کہ وہ خدا کے ہم نشیں نظر آنے لگے۔ ان سے ایسی فوق الادراک صلاحیتیں اور قوتیں منسوب کیں کہ فسانۂ عجائب اور طلسم ہوش ربا ماند پڑ گئے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم معیار حق ہیں

قرآن کی رو سے آپ کے دوست ساتھی اور جماعت یعنی صحابہ کرام ہی معیار حق اور معیار ایمان ہیں چونکہ یہود ونصارا اور منافق لوگ صحابہ کرام کو عقل کے کورے سمجھتے تھے کہ پیغمبر علیہ السلام جو کہیں وہ بغیر سوچے سمجھے اور صرف ان کی بات سن کر ہی اس کو معمول بنا لیتے ہیں موقعہ محل نہیں دیکھتے اور نہ عقل سے سوچتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ ان کی خباثتوں میں سے ایک خباثت یہ بیان فرماتے ہیں۔

وَ اِذَا قِيلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ یعنی یہ منافق اتنے خبیث ہیں کہ جب انہیں کہا جاتا ہے کہ ایسے ایمان لاؤ جیسے یہ لوگ یعنی صحابہ کرامؓ ایمان لائے ہیں تو یہ جواب دیتے ہیں کہ ہم ان احمقوں کی طرح ایمان لائیں؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا لوگو! سنو حقیقت یہ ہے کہ یہ صحابہ کرامؓ کو احمق کہنے والے خود ہی احمق ہیں لیکن ان کو خود اپنی حماقت کا علم ہی نہیں

اس آیت سے صاف ظاہر ہوا کہ صحابہ کرامؓ معیار حق ہیں جس کا ایمان صحابہؓ کے ایمان کے معیار پر صحیح اترا تو وہ ایمان والا ہے ورنہ نہیں۔ نیز معلوم ہوا کہ صالحین کو برا کہنا اہل باطل کا قدیم طریقہ ہے خصوصاً صحابہ کرامؓ پر طعن جیسے کہتے ہیں کہ معاذ اللہ حضرت عمرؓ کے بیٹے ابوبکر نے زنا کیا ثبوت ملنے پر اس کو کوڑے لگانے شروع کیے اسی اثنا میں مر گیا جب کہ ابھی کوڑے پورے سو نہ لگے تھے۔ تو عمر نے کہا کہ اس کے بے جان جسم پر کوڑے مارو تا کہ سو پورے ہو جائیں حالانکہ یہ واقع من گھڑت ہے۔

اور وہ جیسے اپنے آپ کو مومن کہتے تھے دل میں بھی ان کا ایمان کامل تھا شوائب

نفاق سے پاک تھا اللہ تعالیٰ جو علام الغیوب ہے اس کو ان کا ایمان مقبول اور پسندیدہ ہے۔

یہود و نصاریٰ کہتے تھے کہ تم ہمارے مذہب پر آجاؤ تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جواب سمجھایا کہ تم ان کو یوں جواب دو قولوٓ امنا باللہ ،،،،،،،،ہم تو اللہ پر ایمان اور ان کتابوں آسمانی صحیفوں پر بھی جو اللہ نے ہماری طرف اور ابراہیم، اسمٰعیل، اسحاق، یعقوب اور اولادِ یعقوب پر اتاری ہیں اور ان سب پر بھی جو موسیٰؑ جیسے اور دوسرے نبیوں پر رب کی طرف سے ملی ہیں۔ ہم ان نبیوں میں سے کسی ایک میں بھی کسی طرح بھی فرق نہیں سمجھتے اور ہم صرف ایک اللہ ہی کے فرمان بردار ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَاِنْ آمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِہٖ یعنی اب تمہارے اس وضاحتی بیان کے بعد اگر انہی چیزوں پر ایمان لائیں جن پر تم ایمان لائے ہو تب تو راہِ راست پر آ گئے۔ اور اگر اس عقیدہ سے سر موانحراف کریں تو سمجھ لو کہ یہ لوگ محض تمہاری ضد میں ہیں۔ تو یہاں بھی صحابہ کرامؓ کو معیارِ حق بتایا۔

نیز فرمایا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْآ اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ یعنی ان مومنوں کو اللہ کی محبت سب سے زیادہ ہے۔

نیز فرمایا مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ ....

یعنی حضرت محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے صحبت یافتہ اور ہمراہی ہیں وہ کافروں کے مقابلہ میں تو ان کی ایذاؤں سے بچنے کے لئے بڑے سخت ہیں۔ مگر آپس میں بڑے رحم دل اور مہربان ہیں۔ تو ان کو کبھی رکوع میں دیکھتا ہیں اور کبھی سجدے میں وہ اللہ کے فضل اور رضامندی کی تلاش میں لگے رہتے ہیں۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ وَ اِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیَاتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا وَّ عَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ الَّذِیْنَ

يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ اُولٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ مَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ .

یعنی سچے کامل مسلمان وہی ہیں کہ جب بھی ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب ان کو اللہ کے احکام پڑھ کر سنائے جاتے ہیں تو احکام کی آیات ان کے ایمان کو قوی تر کر دیتی ہیں اور وہ صرف اپنے رب پر توکل کرتے ہیں نہ جتھے پر نہ اسلحہ پر اور وہ نماز کی پابندی کرتے ہیں اور ہمارے دیے میں سے ہماری راہ میں خرچ بھی کرتے رہتے ہیں۔ بس ایسے ہی لوگ پکے ایمان دار ہیں جن کے لئے بڑے بڑے درجات ہیں ان کے رب کے ہاں اور عفو اور بخشش ہے اور باعزت روزی۔

ترمذی ص ۲۳۲ باب فضل من رأى النبی صلی اللہ علیہ وسلم و صحبہ میں ہے کہ

رسول اللہؐ نے فرمایا لا تمس النار مسلمارانی اورأی من رانی یعنی کہ جس مسلمان نے مجھے دیکھا یا میرے دیکھنے والے کو دیکھا اس کو آگ مس نہ کرے گی۔

اس حدیث کی رو سے اس میں حضرت حسنؓ حضرت حسینؓ حضرت معاویہؓ اور حضرت ابوسفیانؓ بھی آگئے جنہوں نے اسلام کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی زیارت کی اور یزید بھی آگئے۔ جنہوں نے حضرت علیؓ اور حسنینؓ اور اپنے باپ دادا اور چچا اور پھوپھی یعنی ام المؤمنین حضرت رملہ اُم حبیبہؓ کو دیکھا اور اس خوشخبری میں امام اعظم امام ابوحنیفہؒ بھی آگئے جنہوں نے حضرت انس بن مالکؓ کی زیارت کی اور حضرت عبداللہ بن عوفؓ اور واثلہ بن اصقع ؓ سے تو امام ابوحنیفہؒ نے احادیثِ نبویہ کے سبق بھی پڑھے ہیں۔

خَيْرُ الْقُرُوْنِ

اسلامی معاشرے کی تشکیل کے بعد حضور اکرم ﷺ نے والہانہ انداز میں ارشاد فرمایا

خَيْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ (کتاب بخاری و مسلم)

یعنی بہتر دور میرا ہے جس میں میں رہتا ہوں پھر دوسرا بہتر دور اس کے ساتھ والا اور پھر تیسرا دور جو اس کے ساتھ والا ہے

ا امت کا سب سے اچھا زمانہ محمد رسول اللہ ﷺ کا ہے۔ حضورؐ کے بعد صحابہ کرامؓ کا مبارک دور خلیفہ ولید بن عبدالملک اموی کے عہد ۹۶ھ تک رہا۔

ب پھر تابعین کا زمانہ ہے جو ۹۶ھ سے ۱۵۰ھ تک ہے۔

ج پھر تبع تابعین کا زمانہ ہے جو کہ ۱۵۰ھ سے ۲۲۰ھ تک ہے۔

ان تینوں ادوار میں

۱ مسلمانوں کی ملی وحدت قائم رہی۔

۲ وہ قرآنی احکام پر بذریعہ سنت متواتر کاربند رہے اور زندگی کے جملہ اُمور میں وہ قرآن کے سوا کسی اور کتاب کے تابع نہیں رہے۔ ان کا متفقہ قول یہی تھا۔

حَسْبُنَا كِتَابَ اللهِ.

۳ ان میں کوئی سیاسی یا اصلاحی تحریک کبھی نہ اُٹھی۔ تمام اُمور اکابرِ ملّت کے مشورے سے طے ہوتے تھے۔

۴ اُنہوں نے ملّت کو ایک جھنڈے تلے جمع کر کے حکومت کو مستحکم بنیادوں پر کھڑا رکھا۔

۵ انہوں نے اسلام کی عسکری قوت میں اضافہ کیا۔

۶ انہوں نے نظامِ ربوبیت اور نظامِ عدل کو مضبوط کیا۔

۷ انہوں نے اپنے اپنے وقت کے اُولی الامر کی قیادت میں کشور کشائی اور اشاعت دین میں حصہ لیا۔

۸ مومنین کی جماعت میں وحدت، فکر اور جوشِ عمل کی وجہ سے اسلام کی شوکت و عظمت کا سکہ، ایشیاء، شمالی افریقہ اور جنوبی یورپ تک بیٹھ گیا۔

۹ ہر شہر اور قریہ میں مساجد تعمیر ہوئیں جہاں اللہ اکبر کی صدائیں بلند ہوتی تھیں اور ہر صبح قرآن خوانی کے زمزموں سے فضائیں گونجتی تھیں۔

۱۰ قرآن کے عملی نظام کے ماتحت صدیوں تک اسلامی معاشرے میں

ا نہ علمی حیثیت سے کسی خاندان کی اجارہ داری تھی۔

ب نہ روحانی سربلندی کیلئے کسی خاندان یا کسی شخص سے وابستگی لازم تھی۔

ج نہ من گھڑت، فرضی اور جعلی تواریخ، روایات اور قصّے ابھی بار پایا تھا۔

د نہ مذہبی پیشوائیت ابھی نمو کر پائی تھی۔

ر نہ ملت ابھی شخصیت پرستی سے آشنا ہوئی تھی۔

س نہ مغالات فی البشر کا رواج تھا۔

س) نہ مقبروں اور روضوں کی تعمیر کا کسی کو خیال تھا اور نہ قبر پرستی کی مشرکانہ رُسوم ابھی جاری ہوئی تھیں۔

ط) نہ اصولِ اسلام سے ہٹ کر تفرقہ بازی کے متعلق کسی نے سوچا تھا۔

ع) نہ گروہ سازی کی کسی میں جرأت تھی۔ بلکہ جمہور صحابہ کرامؓ اور ان کے بعد تابعین اور پھر تبع تابعین کے دور میں بزرگانِ دین کو دین اسلام کا مقتداء سمجھا جاتا تھا۔ اور ان کے اجماع کو دینی حجت تسلیم کیا جاتا تھا۔ کیونکہ جماعت مومنین صرف قرآنی احکام کی متابعت اور قوانین کی مطابقت میں صراط مستقیم پر گامزن تھی ان میں کوئی فرقہ نہ تھا۔ بلکہ رشد و ہدایت کا دور دورہ تھا۔ اور کسی شخص کے واجب التعظیم ہونے کا صرف ایک ہی قرآنی معیار تھا۔

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ

ا) راسخ العلم ہونا۔ احکامِ الٰہی کی نافرمانی سے بچنا اور آئین خداوندی کی حدود کی نگہداشت کرنا اور

ب) معاشرتی زندگی میں ہر انسان کا درجہ اس کی اہلیت، صلاحیت حسن کارکردگی اور تجربہ کی بناء پر متعین ہوتا تھا۔ نہ کسی نسلی تفاخر پر۔

وَلِکُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا (سورۃ احقاف ۱۹ : ۲)

۱

درجت

حضرت حسینؓ اور یزید دونوں مظلومیت میں یکساں ہیں۔ حضرت حسینؓ تو اس لئے کہ وہ اپنی شرافت اور سادگی کی وجہ سے کوفی سبائیوں کی فریب کاریوں اور اسلام دشمن منصوبے کا شکار ہو کر بے بسی اور بے کسی کے عالم میں شہید ہوئے۔

اور یزید اس لئے کہ اس کو بعد میں آنے والے سبائی منافقین نے خاندان بنی اُمیہ سے اپنے بڑوں کی ناکامیوں کا بدلہ لینے اور مسلمانوں کو باہمی الجھا کر کمزور کرنے اور اسلام کو نیست، نابود کرنے کی خاطر اپنی مکاریوں اور منافقانہ سازشوں کا ذمہ دار ٹھہرا کر بدنام کیا۔

رفتہ رفتہ اس زیرِ زمینی زہریلے پراپگنڈے نے ایک مستقل شکل اختیار کرلی اور عراق، عجم کے عوام کو غیر شعوری طور پر بڑا متاثر کیا نوبت یہاں تک آ پہنچی کہ صدیوں بعد سبائیوں کے اس سوچے سمجھے منصوبے کا وہ لوگ بھی شکار ہو گئے۔ جو اپنے آپ کو صحابہ کرامؓ کی قدسی جماعت کا شیدائی سمجھتے تھے۔ اور اس امر کی طرف مطلق توجہ نہ کی کہ ایسا ہو بھی سکتا ہے یا نہیں۔ کیونکہ امیر یزید کو برسر اقتدار لانے والے وہی بزرگ صحابہ کرامؓ ہی تو تھے۔ جنہوں نے خلفاء راشدین کو چنا تھا۔ اب اگر حسین بن علیؓ صحابہؓ کے متفقہ فیصلے کے خلاف یزید کی اطاعت نہ کرتے تو گردن زدنی قرار پاتے ہیں اور اگر صحابہ کرام کا متفقہ فیصلہ غلط قرار دیا جائے۔ تو انکا اپنا کوئی مقام نہیں رہ جاتا۔ اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے مشن کی ناکامی تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ نہیں۔

اگر صورت حال یہی ہے تو پھر نہ اسلام باقی ہے اور نہ ہم مسلمان ہیں اور اگر حقیقت یہ نہیں تو پھر ہم ان باتوں کو بالکل غلط گمراہ کن اور ناممکن الواقع قرار دیتے ہیں۔ اور عوام کو روایتی عقیدت اور شخصیت پرستی کی بجائے نص قرآنی اور دلیل و برہان سے واقعات کو پرکھنے کی دعوت دیتے ہیں۔ تاکہ غور فکر کرنے والے اصحاب دانش صحیح نتائج اخذ کرسکیں۔

۲

کربلا کے مقام پر حضرت حسینؓ اور ان کے ساتھیوں کے خون سے ہولی کھیلنے والے یعنی کوفہ کے شیعانِ علی بھی یزید سے نہیں بلکہ ابن زیاد اور خاص کر ان کوفی لوگوں سے خونِ حسین کا بدلہ لینا چاہتے تھے جنہوں نے حضرت حسینؓ کو شہید کیا تھا۔

لیکن عبداللہ بن سباء یہودی کی جماعت کے بعض عجمی پیروؤں نے اپنے بڑوں کی خفت مٹانے اور مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کی خاطر الٹا امیر المؤمنین یزید کو مطعون اور بدنام کرنا شروع کر دیا۔

(تاریخ اسلام جلد دوم اکبرشاہ نجیب آبادی و تاریخ اسلام صادق حسین)

پھر دنیا جہان کی جھوٹی اور موضوع روایات محض اسے بدنام کرنے کے لئے گھڑی گئیں۔ اور ناکردہ گناہ بھی اس غریب کے سر تھوپے گئے۔ حالانکہ یہ ایک خوش اخلاق نیک اطوار۔ مجاہد حکمران اور مومنین کرام وصحابہ عظام کا متفقہ امیر تھا۔ وہ مملکت اسلامیہ کا خود مختار۔ صاحب سیف ناقابلِ شکست فاتح اور طاقت ور حاکم تھا اور اپنے احکام کے اجراء کی پوری قوت رکھتا تھا۔ اس نے مشرق ومغرب میں کفار پر جہاد کئے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے مطابق شرعی حدود قائم کیں۔ مساجد تعمیر کرائیں۔ قرآن کی اشاعت کی اور سمرقند سے مراکش تک اسلام کا ڈنکہ بجایا۔

۳

مسلمانوں کی تاریخ میں کئی بادشاہ اور حاکم ایسے بھی گزرے ہیں جن کی برائیوں کے مقابلے میں یزید کی طرف منسوب برائیاں کوئی حقیقت نہیں رکھتیں۔ لیکن ان سب کے اعمال سے درگزر کر کے کسی خاص مقصد کے تحت صرف یزید کو تقریباً چودہ سو سال سے خواہ مخواہ بدنام کیا جارہا ہے اور اُمت مسلمہ کے ایک طبقے کو اس قضیہ نامرضیہ میں اُلجھا کر اسے جادہ مستقیم سے بالکل ہٹا دیا گیا۔

یزید کا قصور صرف اتنا ہے کہ اس کی خلافت میں حسین بن علیؓ بے وفا اور غدار عبداللہ بن سبا یہودی اور کوفیوں کی سازشوں کا شکار ہو گئے اور اپنی تین شرطیں پیش

کرنے کے باوجود ان ظالموں کے ہاتھوں بے دردی سے شہید ہو گئے۔

۴

یزید کی جہاد قسطنطنیہ پر لشکر کشی۔ ۳ سالہ امارات حج۔ ملکی فتوحات اور دیگر قابلِ فخر اسلامی کارنامے ایسے ہیں جو کہ اس المیہ کے باوجود نا قابلِ فراموش ہیں۔ کیونکہ ہر انسان کی قدر و منزلت اس کی ملی و ملکی خدمات کی بنا پر ہوتی ہیں۔ نہ کہ حسب و نسب کے لحاظ سے

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا (سورۃ احقاف ۱۹ : ۲)

رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنے آخری خطبہ میں خاص طور پر اس بات پر زور دیا تھا کہ:

آج سے ہم نے تمام امتیازات مٹا دیئے۔ گورے کو کالے پر اور عربی کو عجمی پر کوئی فوقیت نہیں۔

انسانوں کے معظم و مکرم ہونے کا صرف ایک ہی معیار قرآن کے الفاظ میں یوں فرمایا کہ

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ (سورۃ فتح ۴۸)

اور پھر اپنے اپنے اعمال کی ذمہ داری اور جواب دہی سے آگاہ کرتے ہوئے اپنے عزیز ترین رشتہ داروں کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ

اے چچا عباس! پھوپھی صفیہ اور بیٹی فاطمہ!

تم ہرگز یہ گمان نہ کرنا کہ رسولِ خدا کے چچا یا پھوپھی یا بیٹی ہونے کی وجہ سے قیامت کو تمہارے اعمال کی پرسش نہیں ہوگی۔ یہ تو ضرور ہو کر رہے گی اور اپنے اپنے

اعمال کے نتائج تمہیں خود بھگتنے پڑیں گے۔ وہاں تو میں بھی بے بس اور عاجز کھڑا ہونگا اور تمہاری کوئی شفاعت نہ کرسکوں گا۔

۵

حسینؓ اور یزید کے درمیان کوئی دینی جھگڑا نہ تھا اور نہ ہی ان دو چچازاد بھائیوں میں سیاسی اختلاف تھا۔ وہ باہم شیر وشکر تھے۔ لیکن مسلمان کی بدبختی سے عجمی مجوسیوں نے دو صدی بعد کسی سیاسی مصلحت سے خود ایک مسئلہ گھڑا اور اسے مذہبی رنگ دے کر مستقل پروپیگنڈہ کے ذریعے عقیدہ میں شامل کر دیا اور ایک جدی امویوں اور عباسیوں میں مناقشت کا ایک شاخسانہ کھڑا کر دیا۔

یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ جو چیز ایک دفعہ اعتقاد میں شامل ہو جائے اور انسان اسے اپنے خود ساختہ مذہب کا جزو بنا لے (خواہ کتنی ہی غلط کیوں نہ ہو) اس کے خلاف کوئی آواز سننے اور برداشت کرنے کی اس میں تاب نہیں ہوتی۔ خواہ وہ آواز کتنی ہی حقیقت پر مبنی کیوں نہ ہو۔ لہٰذا کسی غلط عقیدے کے خلاف آواز اٹھانا بڑا ہی مشکل کام ہے۔

۶

عربی مسلمانوں نے اس (عجم ساختہ) سیاسی نزاع کو نہ کبھی اعتقادی مسئلہ بنایا اور نہ ہی عجم کے غیر اسلامی تاثرات کو قبول کیا۔ لیکن شعوری طور پر سب سے پہلے عجمیوں نے اور پھر ان کے ذریعہ سے ہندوستان کے مسلمانوں نے بھی اس مسئلے کو تقلیداً مسلمات بلکہ معتقدات میں شامل کر لیا اور دیکھا دیکھی ایک فریق کو اچھا اور دوسرے کو بُرا کہنا شروع کر دیا۔

بُرا

اگر یہ کوئی واقعی دینی مسئلہ ہوتا تو کسے مجال تھی کہ اس کے ماننے میں اختلاف کرتا یا تفریق بین المسلمین کے جرم عظیم کا مرتکب ہوتا؟

ظاہر ہے کہ یہ ایک مشاورتی نظام کا سیاسی مسئلہ تھا جس میں اختلاف رائے کا حق بھی موجود تھا۔ لیکن جب اکابر ملت اور جمہور عوام کا ایک بات پر متفقہ فیصلہ ہو جائے تو پھر اختلافات وہیں ختم ہو جاتے ہیں اور سب کا فرض یہ ہو جاتا ہے کہ وہ اس فیصلے کا احترام کرتے ہوئے اسے کامیاب بنانے کیلئے بھرپور کوشش کریں تا کہ ان کے خوشگوار نتائج سے سب کو یکساں بہریاب ہونے کا موقع ملے۔

لیکن اس کے باوجود اگر کوئی شخص پھر اسی اپنے ذاتی اختلاف پر بضد قائم رہے اور مخالفت کرے تو وہ بقول امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ گردن زدنی اور واجب القتل ہے

۷

کوفہ (ایران اور عراق کی سرحد پر) ایک فوجی چھاؤنی تھی اس میں مختلف علاقوں کے عجمی و عراقی خانہ بدوش اور بدو لوگ آباد ہو گئے تھے۔ جن میں اکثریت ایسے لوگوں کی تھی جو اُجڈ نسلوں اور اکھڑ قبیلوں سے تھے وہ تہذیب و تمدن اور علم و عرفان سے نا آشنا اور دیناوی اصولوں اور معاشرتی اقدار سے قطعاً بے بہرہ تھے انہیں دراصل نہ حسینؓ سے کوئی ہمدردی تھی۔ نہ یزید سے کوئی لگاؤ تھا۔

وہ صرف اسلام کے دشمن اور عرب حکومت کے مخالف تھے اور منافقانہ طور اسلام کا لبادہ اوڑھ کر مسلمانوں میں شامل ہو گئے تھے۔ انہوں نے صدقِ دل سے اسلام کو قبول ہی نہ کیا تھا۔ بلکہ وہ تو عربوں اور اسلام کے خلاف ایک سوچ سمجھے منصوبے کے تحت اپنا

انتقام لینے کی خاطر بظاہر اسلام میں داخل ہوئے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ کوفی منافقین حضرت حسینؓ اور یزید دونوں کے دشمن تھے انہوں نے سیاسی لحاظ سے اپنے آپ کو کمزور پا کر عربوں میں باہمی نفاق ڈالنے کا منصوبہ بنایا آپس میں لڑوا کر ایک دوسرے کو دشمن بنا دیا اور یوں ان کو بیرونی فتوحات اور تعمیری کارناموں سے روک دیا۔

عجمی مفسدین اور کوفی منافقین اپنے منصوبے میں بخوبی کامیاب ہو گئے اور جب ملت اسلامیہ کا شیرازہ بکھرنے لگا۔ ان ظالموں نے حسینؓ کو دھوکے سے اغوا کر کے شہید کیا عمال یزید کو اس کا ذمہ دار ٹھرایا اور خود محبان حسینؓ بن بیٹھے۔ خونِ حسینؓ کے دعویدار بننے کی صورت میں انہیں جماعت مومنین اور یزید کو برملا سب وشتم کرنے اور اہل اسلام کے خلاف دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع ہاتھ آ گیا۔ اس کے لئے انہوں نے شہادتِ حسینؓ کو بڑے غلو اور مبالغہ آمیز لہجے میں ضرورت سے زیادہ اہمیت دے کر مشرقی ممالک میں جا بجا بیان کرنا شروع کیا

ذرا سی بات تھی اندیشۂ عجم نے جسے
بڑھا دیا ہے فقط زیبِ داستاں کیلئے

۸

فسانۂ کربلا کو عجمی منافقین نے ڈرامائی انداز میں مسلمانوں کی تاریخ بنا کر پیش کیا ہے اسے حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں یہ سراسر ایک من گھڑت افسانہ ہے جسے بعد میں آنے والے عجمی تاریخ نویسوں نے چار سو سال بعد اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں کی زبانی سن سنا کر کسی

خاص مقصد کی تکمیل کے لئے گھڑا تھا۔ اس میں حقیقت کم اور کذب وافتراء زیادہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آئندہ نسلوں کے لئے قومی سطح پر یہ ایک نزاعی مسئلہ کی شکل اختیار کر گیا اور اختلافِ رائے سے بڑھ کر مخالفت میں تبدیل ہو گیا اور تقریباً چودہ سو سال سے مسلمانوں کی باہمی رنجش انتشار اور خون خرابے کا موجب بنا ہوا ہے۔ جو خونِ حسینؓ کی طرح ایک بہت بڑا المیہ ہے۔

سبائیوں کی سازش

امیر المؤمنین حضرت معاویہؓ کی وفات ۲۱ رجب ۶۰ھ کی خبر سنتے ہی کوفہ (عراق) کی سبائی جماعت ایک نئے منصوبے کے تحت حرکت میں آ گئی۔ اور قصاص عثمان کی پاداش میں خلافت معاویہ میں جو سبائی مارے گئے تھے یزید بن معاویہؓ سے ان کا بدلہ چکانے کا وقت آ گیا ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے انہیں حسین بن علیؓ کو آلہ کار بنانے کی سوجھی۔

چنانچہ ۶۰ھ میں حج کے موقع پر مکہ معظمہ میں تقریباً چالیس سبائی نمائندوں کا ایک وفد حضرت حسینؓ سے خلوت میں ملا اپنے حسن ارادت وعقیدت کا اظہار کر کے بڑے خلوص ومحبت سے پیش آیا۔ اور کئی کوفی اکابر مثلاً شعیب بن ربی۔ حجاج بن حجر۔ قیس بن اشعث۔ سلیمان وزید بن حرث وغیرہ کے خطوط بھی خفیہ طور پر دیئے جن میں حسن ارادت کے ساتھ ان کی زیارت کی خواہش کے جذبہ سے انہیں کوفہ آنے کی دعوت دی گئی تھی کہ:-

حضرت علی کے بعد ہم آپ کے دیدار کو ترس رہے ہیں ایک دفعہ ضرور تشریف لا کر ہماری آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچائیں اور اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ شیعانِ علی آپ کے ساتھ بھی ویسے ہی حسنِ عقیدت اور جان نثاری کا جذبات رکھتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت علی کے ساتھ رکھتے تھے۔

وفد کے ارکان نے آپ کو اہل مکہ ومدینہ کے مقابلے میں اہل کوفہ کی حضرت علیؓ اور ان کی فاطمی اولاد سے بے پناہ محبت ووفا شعاری اور دیرینہ خدمات گن گن کر بتائیں اور کہا کہ کوفہ حضرت علی کا مسکن ودار الخلافت تھا۔ آپ کو کوفہ سے ایک گونہ محبت ضرور ہو گی کیونکہ ان کا مدفن بھی یہی شہر ہے۔ اور ان کی قبر کی زیارت کرنا آپ جیسی نیک اولاد کا اولین فرض ہے۔ اگر

آپ اب ہمارے قافلے کے ساتھ ہی چلیں تو ہر قسم کی سہولتیں مہیا ہیں اور ہم اسی عزت احترام کے ساتھ آپ کو واپس چھوڑ جائیں گے۔ حضرت حسینؓ اتنے بھولے بھی نہ تھے کہ ان کے کہنے میں آ کر خود ہی چل پڑتے مگر سبائی پارٹی موقع دیکھ کر آئی تھی کہ تمام لوگوں کی توجہ حج پر مرکوز ہے اس لئے انہوں نے حضرت حسینؓ کو زبردستی عورتوں بچوں سمیت اغواء کر لیا۔ اور ۸ ذی الحجہ کو اونٹوں پر بمع مال ومتاع رات گئے روانہ ہوئے۔

۹ محرم ۶۱ھ کو جب یہ قافلہ کوفہ کے قریب پہنچا تو کوفی وفد کے ارکان نے اپنے مہمان کو وہیں ٹھہرایا اور خود کوفہ جا کر سبائی جماعت کے اکابر کو حسین کی آمد کا اطلاع دی۔ باہمی مشورے کے بعد سبائی جماعت (جن میں عجمیوں کی اکثریت تھی) حسینؓ کے پاس آئی اور خاطر ومدارات کے علاوہ یزید کے خلاف زبان طعن ودشنام دراز کرنی شروع کر دی۔ اس کو ظالم، غاصب اور بدکردار قرار دے کر اس کی حکومت کا تختہ الٹنے کا منصوبہ پیش کیا حضرت علیؓ کا صحیح جا نشین تسلیم کر کے آپ کو طلبِ خلافت پر اُکسایا اور اپنی پوری مالی وجانی امداد کا یقین دلایا۔ لیکن حضرت حسینؓ تو انکے اکسانے کے سبب ان سبائیوں کے کہے میں آنے والے نہ تھے۔

حضرت حسینؓ تو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے کہ یزید کی بیعت عامہ کے ذریعے خواص وعوام نے اپنا امیر وامام تسلیم کر لیا ہے۔ اور معہ صحابہ کرام اس کے دست وبازو بن چکے ہیں۔

آپ یہ بھی جانتے تھے کہ اب اگر کسی قسم کی کوئی مخالفت یا بغاوت اس کے خلاف کی جائے گی تو وہ شرعی لحاظ سے ناجائز ہوگی۔

خانہ جنگی کی بنا پر بدامنی کا سبب ہوگی اور خدا کی رحمتوں سے محرومی کا سبب بنے گی۔ (سورۂ نساء ۴:۱۲)

پھر بھلا آپ اس بغاوت میں کیونکر شریک ہو سکتے تھے؟

آپ نے جب سبائی منافقین کی باتیں خلیفہ وقت کے خلاف بغاوت کی سنی اور ان کی بدنیتی کے آثار دیکھے تو آپ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ آپ نے بدلتے ہوئے حالات کے مطابق یزید کے خلاف اقدام خروج کو اپنے ایمان کے خلاف سمجھا اور ان کے منصوبے میں شامل ہونے سے صاف انکار کر دیا۔

سبائیوں نے آپؓ کو مفید مطلب نہ پا کر آگے جانے سے روک دیا۔ آخر آپ نے مدینہ چلے جانے یا یزید کے پاس دمشق جانے کا ارادہ ظاہر کیا تاکہ حکم کے مطابق جہاد میں شریک ہو کر مشرقی ولایات میں غیر مسلموں کے مقابلے میں لڑ کر شہادت حاصل کی جائے۔ یہ دیکھ کر کہ شکار ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے۔ اور اب یہ یزید سے مل کر ہم پر مصیبتوں کے پہاڑ ڈھائے گا۔ اُن ظالموں نے۔

ا گھیرا ڈال کر حضرت حسینؓ کو مع ان کے ساتھیوں کے وہیں شہید کر دیا

ب ان کے خیموں کو آگ لگا دی

ج اپنے نوشتہ خطوط ان سے چھین کر جلا دیئے۔

عمال حکومت کو قتل حسین کا ذمہ دار ٹھرانے کیلئے ضروری تھا کہ کوفہ کے سبائی فتنہ پردازوں کی جماعت خود خون حسینؓ کی دعویدار بنے گویا قائم عرب حکومت کے خلاف آواز بلند کرنے اور عراق و عجم میں فتنہ و فساد اور انتشار پھیلا کر اس کا سیاسی اقتدار ختم کرنے کیلئے انہوں نے خون حسینؓ کا ایک معقول بہانہ تراشا اور اسے اپنے سیاسی مقاصد کی تشہیر میں خوب استعمال کیا چنانچہ

ا عبید اللہ مختار ثقفی اسی نعرے سے جمعیت بہم پہنچا کر کوفہ شہر پر قبضہ کر لیا اور خونِ حسین

کے حقیقی دعویداروں (علی بن حسین، عبداللہ بن عباس، محمد بن حنفیہ، عبداللہ بن جعفر وغیرہ تمام طالبی حضرات کو بدستور بوریہ نشین رہنے دیا گیا، پھر خود نبوت کا دعویٰ کر دیا۔

2 اہل عجم بھی اس سیاسی انتشار سے فائدہ اٹھانے اور عربوں کی حکومت کا تختہ الٹ کر دوبارہ اپنی حکومت قائم کرنے کا خواب دیکھنے لگے

لیکن نہ تو مختار ثقفی کی حکومت چلی اور نہ عجمیوں کی حکومت قائم ہوئی۔ اگر کچھ چلتا رہا تو سرف سبائی پراپگینڈا چلتا رہا۔ اس منافقانہ پراپگنڈے نے اموی حکومت کی جڑیں کھوکھلی کرنے کی طرح ڈال دی اور آل عباس کی عباسی تحریک کو ابومُسلم خراسانی نے مشرقی ولایات میں پروان چڑھایا۔ اور خلافتِ اموی کی تباہی کا موجب اور بنو عباس کو برسرِ اقتدار لانے کا ذمہ دار بنا۔

امامنافی الدین حضرت حسینؓ بن علیؓ

آپ ۷ شعبان ۶ھ کو مدینہ میں پیدا ہوئے

جب رسول اللہ ﷺ نے رحلت فرمائی تو آپ کی عمر ۵ سال کی تھی۔ اس کے ۶ ماہ بعد شفقتِ مادری سے بھی محروم ہو گئے۔

۱ خلافتِ راشدہ میں آپ کو صحابہ کرامؓ کی صحبت میں دینی علوم حاصل کرنے کے مواقع میسر تھے۔ جب آپ جوان ہو گئے تو حضرت عمر فاروقؓ نے حسنین کا بھی صحابہ کرامؓ کے برابر بیت المال سے پانچ پانچ ہزار درہم سالانہ وظیفہ مقرر کر کے ان کو خوش حال کیا اور فکر معاش سے آزاد رکھا۔ کیونکہ آپ ام کلثوم بنت علیؓ کے خاوند تھے۔

۲ جب حضرت معاویہؓ مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے تو آپ نے حضرت حسنؓ کو ایران کے علاقہ اہواز کی ۱۱ لاکھ درہم سالانہ آمدنی کے علاوہ کوفہ کے خزانہ سے ۲ کروڑ درہم بھی لینے کی اجازت دیدی۔ اور حضرت حسینؓ کے لئے ۵ لاکھ درہم سالانہ وظیفہ مقرر کیا جو آپ تاحیات وصول کرتے رہے۔ حضرت حسنؓ ۵۰ھ میں وفات پا گئے۔

۳ ۵۶ھ میں جب امیر المؤمنین حضرت معاویہؓ یزید کی ولایت عہد کے سلسلہ میں صحابہ کرامؓ اور امہات المؤمنین سے مشورہ کیلئے مدینہ گئے تو کچھ ردّ وقد کے بعد سب نے بیعت کر لی اس بیعت میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ۔ عبداللہ بن عمرؓ۔ عبداللہ بن جعفر طیار اور حضرت حسینؓ سب شامل تھے۔ جو آخر دم تک اس بیعت پر قائم رہے۔ گویا حضرت حسینؓ نے بھی ملت کے اس متفقہ فیصلے کو بسر وچشم قبول کیا۔

ورنہ وہ جماعت مومنین سے الگ ہو کر اپنے ہم خیالوں کی ایک الگ جماعت

قائم کرتے انہیں حکومت کے خلاف بغاوت پر آمادہ کرتے اپنے عزیز واقارب کو خلیفہ کی اطاعت سے روکتے اور خلیفہ سے پانچ لاکھ درہم سالانہ وظیفہ لینے سے انکار کر دیتے مگر آپ کی عملی زندگی سے اس قسم کا کوئی فعل ثابت نہیں۔

۴ حضرت حسینؓ بڑے دلیر، بہادر، جوشیلے اور نڈر انسان تھے۔ اگر یزید اوران کے درمیان ذاتی یا سیاسی سطح پر کوئی رنجش ہوتی۔ تو اس کا اظہار کرتے (یا) یزید کے کردار میں انہیں کوئی دینی یا اخلاقی کمزوریاں نظر آئیں تو بلا خوف وخطر اصحابِ رسولؐ کے سامنے برملا اس کا اظہار کرتے۔

یا پھر اپنے مدمقابل کی خامیوں اور کمزوریوں سے ملت اسلامیہ کو علی الاعلان آگاہ کرتے اور اس طرح اپنے کسی اقدام کا جواز پیدا کرتے۔ کہ چونکہ:-

- ا یزید میں فلاں فلاں ذاتی عیب ہے۔
- ب وہ عقل وفکر کی کمی کے باعث خلافت کے نااہل ہے۔
- ج وہ عسکری اور انتظامی امور کے صلاحیت نہیں رکھتا۔
- د خواص وعوام اس کے ساتھ تعاون نہیں کرتے نہ اس کے حکم پر کٹ مرنے کو تیار ہیں۔
- ر اس نے جبر وتشدد، ظلم، یا خیانت وغیرہ کا ارتکاب کیا ہے
- س اس نے شرعی اُمور کی خلاف ورزی کی ہے۔

اس لئے ہم اس کی بیعت اطاعت سے منحرف ہیں۔ اس کے خلاف آواز بلند کرتے ہیں اور اس کے مقابلے میں اس سے بہتر صلاحیتوں کے مالک کسی اور انسان کو کھڑا کرتے ہیں۔ ،،،،،،،،، لیکن آپ نے امیر موصوف کے ذاتی اوصاف یا اسلامی مملکت

کے انتظامی اُمور کے خلاف کسی قسم کا بہتان باندھنا یا الزام تراشی کرنا اپنے ایمان کے خلاف سمجھا۔ کیونکہ امیر موصوف کا انتخاب تو بیعتِ عامہ کے ذریعے خود صحابہ کرامؓ کے مشورے سے ہوا تھا۔ اس میں اس قسم کے عیوب اور خامیاں ہو ہی کیسے سکتی تھیں؟

اس سے ظاہر ہے کہ حضرت حسینؓ بھی جمہور کے فیصلے کے بعد اپنے رائے کے اختلاف سے درگزر کر کے ۵۶ھ میں ہی یزید کی ولی عہدی پر رضا مند ہو کر امیر المؤمنین حضرت معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت اطاعت کر چکے تھے۔ اور ان سے پانچ لاکھ درہم سالانہ وظائف کے علاوہ عطایا حاصل کر کے بڑی امن و آسائش کی زندگی بسر کرتے رہے۔ اور ان کی وفات کے بعد یزید کی بیعت پر قائم رہے۔

یزید نے حضرت حسینؓ کی سابقہ مراعات کو بحال رکھا۔ بلکہ ہاشمی خانوادے کو مزید عطایا سے خوشحال کیا۔ اور ان سے ازدواجی تعلقات بھی قائم کیے۔

۵ یزید ۲۲ رجب ۶۰ھ کو منصب خلافت پر متمکن ہوئے۔ اس کے چار ماہ بعد حج کا موسم آ گیا۔ اور لاکھوں مسلمان مملکت کے اطراف و اکناف سے حدودِ حرم میں جمع ہوئے۔ حضرت حسینؓ بن علیؓ بھی اس وقت اپنے چچا حضرت عبداللہ بن عباس کے ہاں دارالعباس مکہ میں مقیم تھے۔ آپ کی ذات سے ہر مسلمان کے جذبات محبت قدرتاً وابستہ تھے۔ اگر انہیں یزید سے کوئی شکایت ہوتی تو بلا خوف و خطر مرکزِ اسلام مکہ معظمہ میں دنیا نے اسلام کے لاکھوں مسلمانوں کے مجمع کے سامنے یزید کے نااہلی یا بدکرداری کا ثبوت بہم پہنچا کر احکام شریعت کے مطابق اقدام خروج کا جواز پیش کرتے تاکہ خواص و عوام آپ کے دعویٰ کی صداقت پر لبیک کہتے ہوئے حکومت الٹنے میں دیر نہ کرتے ،،،،،، لیکن ابن علیؓ کا اس قسم کا کوئی اعلان کتب التواریخ میں مذکور نہیں بلکہ آپ نے:-

ا نہ اربابِ حل وعقد سے اس بارے میں کوئی مشورہ کیا۔

ب نہ اپنے ہم خیالوں کی کوئی جماعت پیدا کی۔

ج نہ اپنے عزیز واقارب کواقدام خروج پر آمادہ کیا۔

د نہ کوئی عسکری تنظیم قائم کی۔

ر نہ جنگی ساز وسامان اکٹھا کیا۔

س نہ کسی گورنر یا کمانڈر سے ساز باز کی۔

ص نہ ہی مکہ ومدینہ کے رحیم وکریم صحابہ کرامؓ کی حمایت حاصل کی۔

ط نہ اظہارِ ناراضگی کے طور پر یزید کے خزانہ سے عطایا اور وظیفہ لینے سے انکار کیا۔

ع نہ یزید کے حامی وناصر اپنے بھائیوں اور رشتہ داروں کا ہی بائیکاٹ کیا۔

ان تمام باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ قائم حکومت کے خلاف آپ کا کوئی عزم نہ تھا۔اس لئے حکومت نے بھی:-

ا آپ کے خلاف کوئی اقدام نہ کیا۔

ب آپ کی نگرانی کے لئے کوئی پولیس مقرر نہ کی۔

ج آپ اور آپ کے متعلقین کا وظیفہ بند نہ کیا۔

د آپ اور آپ کے لواحقین میں سے کسی کو قید وبند میں نہ ڈالا۔

ر آپ کی جائیداد واملاک ضبط نہ کیں۔

س آپ اور آپ کے ساتھیوں کو گرفتاری کا وارنٹ جاری نہ کیا۔

ص آپ کے خروج کی نہ کوئی اطلاع دمشق میں پہنچی اور نہ حکومت نے آپ کے قتل کا کوئی حکم دیا۔

اس سے ثابت ہوا کہ یہ سارا قصہ سبائی منافقین نے اپنی سازش کو چھپانے اور عوام کی توجہ اپنی طرف سے ہٹانے کیلئے گھڑا ہے۔

۶ حضرت حسینؓ کو مرکزِ اسلام مکہ و مدینہ اور اپنے خیر خواہوں اور بزرگوں کی رفاقت کو چھوڑ کر فریب کار اسلام دشمن سبائیوں کی پناہ میں کوفہ جانیکی ضرورت ہی کیا تھی؟ کیونکہ یزید کے انتخاب کا اختیار تو مرکز اسلام مدینہ کو ارباب حل و عقد کو حاصل تھا نہ کوفہ کے سبائی مفسدین کو۔

۷ حضرت حسینؓ سبطِ رسولؐ تھے اور صحابہ کرامؓ کی قدسی جماعت کی صحبت سے ۵۰ سال تک فیض یاب ہوئے تھے۔

ا وہ قرآن کے حامل اور اسوۂ رسولؐ کے پیروکار۔ ارشاد نبویؐ کے مطیع اور اسلام کے فدائی تھے۔

ب وہ قرآن مجید کے منشاء اور اُسوۂ رسولؐ کے خلاف نہ کچھ کہہ سکتے تھے اور نہ کر سکتے تھے کیونکہ قرآن کا یہ حکم ہے کہ:-

کونوا مع الصادقین یہ ہمیشہ ان کے پیشِ نظر تھا۔ اور و لا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحھا سے وہ کبھی غافل نہ ہو سکتے تھے۔

ج وہ ملی وحدت کو پارہ پارہ ہوتے ہوئے نہ دیکھ سکتے تھے۔ نہ امت میں تفرقہ کے مؤید تھے۔ اور نہ مرکز اسلام کو کمزور کرنا چاہتے تھے۔

د وہ اسلام کے دشمنوں کا ساتھ نہیں دے سکتے تھے نہ ان کا آلہ کار بن کر قوم کو تباہ کرانا پسند کرتے تھے۔

ر وہ شرعی حجت پر نہ اعتراض کر سکتے تھے۔ نہ قومی نقصان کو برداشت کرنے والے تھے

س وہ متفقہ طور پر قائم شدہ حکومت کے خلاف کوئی ایسا اقدام نہیں کر سکتے تھے۔ جس سے اہل اسلام میں انتشار پیدا ہو۔ مملکت کا امن تباہ ہو جائے اور ملت کا شیرازہ بکھر جائے۔

ص وہ مؤمنین کے آپس میں لڑنے اور ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے کی ذمہ داری اپنے اوپر لینا پسند نہیں کرتے تھے۔

ط ان کے سامنے اطاعت یزید اور خروج سے مخالفت کو نبوی حکم موجود تھا۔ اور قرآن کی سورۂ نساء۴ آیات نمبر۹۳ بھی یقیناً ان کے مدنظر تھی جس کی خلاف ورزی کی سزا ابدی جہنم اور خدا کی رحمتوں سے دوری ہے۔

(خلیفۂ ششم) امیر المؤمنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ

حضرت امیر المؤمنین معاویہؓ بن ابی سفیان القرشی الاموی قبل اسلام میں شرافت ونجابت و مداوت میں پورے عرب میں ممتاز تھے۔ بدر، احد، خندق، حدیبیہ کے معرکوں میں حاضر نہیں ہوئے۔ لیکن ان کا دل گواہی دیتا تھا کہ اسلام مذہبِ حق ہے فتح مکہ کے موقع پر کھل کر مسلمان ہوئے۔ پھر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں لگ گئے اور کتابتِ وحی کے مقدس کام پر آنحضرت ﷺ نے اہل سمجھ کر ان کو مامور فرمایا جو بہت نازک امانت دار اور ذمہ داری کا کام تھا اور آپ ﷺ نے ان کے حق میں دعا فرمائی:

اللهم اجعله ها دیا مهد یا و اهد یه (ترمذی)

اے اللہ! معاویہ کو ہدایت یافتہ اور ہدیت دینے والا بنا دے اور اس کو لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ بنا دے۔ نیز دعا بھی کی

اللهم علم معاويه الكتاب والحساب وقه العذاب

اے اللہ! معاویہ کو حساب کتاب سکھا اور اس کو عذابِ جہنم سے بچا۔ نیز دعا فرمائی

اللهم عالمه الكتاب و مكن له في البلاد وقه العذاب

اے اللہ! معاویہ کو علم قرآن سکھا دے اور شہروں میں اس کو ٹھکانا بنا دے اور عذاب سے اسے بچا۔

آپ ﷺ نے معاویہ کو اپنے پیچھے سواری پر بٹھایا۔ پھر فرمایا معاویہ! تیرے جسم کا کونسا حصہ میرے جسم کے ساتھ لگ رہا ہے؟

عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرا پیٹ اور سینہ۔

تو آپ ؐ نے دعا فرمائی اللھم املأہ علماً اللہ اس کو علم سے بھر دے

آپ ؐ مستجاب الدعوات تھے ان کی دعا قبول ہوئی

نبی کریم ﷺ نے ایک خوشخبری سنائی تھی کہ

اَوَّلُ جَیشٍ مِنْ اُمَّتِي یَغزُوْنَ مَدِیْنَةَ قَیْصَرَ مَغْفُوْرٌ لَّهُمْ .

میری امت کے پہلے لشکر نے جو بحری لڑائی لڑے گا اپنے اوپر جنت واجب کر لی

(بخاری ۴۱۰)

اس خوشخبری کے مصداق حضرت معاویہؓ جو ۲۷ھ میں بحری بیڑا لے کر روانہ ہوئے اور ۲۸ھ میں آپ کے ہاتھوں قسطنطنیہ قبرص بحیرہ روم فتح ہوا۔

آپ ہی کے دور میں دوسرے ممالک میں شعبۂ دعوت وارشاد اور شعبۂ جہاد دوبارہ شروع ہوا۔ کسی مفسد نے حضرت حسنؓ کے معاویہؓ سے صلح کرنے پر حضرت حسنؓ کو برا بھلا کہا آپؓ نے فرمایا مجھے برا بھلا مت کہہ کیونکہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے سنا تھا کہ رات اور دن کی گردش اس وقت تک ختم نہ ہوگی جب تک کہ معاویہ امیر نہ ہو جائیں گے۔ بہت ممالک ہیں جہاں ایمان اسلام سے دنیا متعارف ہوئی دین اسلام پھیلا۔

ایمان والوں کی اولاد جو ایمان لائیں وہ بھی والدین کے ساتھ جنت میں جائیں گے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ والذین امنوا واتبعتھم ،،،،،،اور مومن لوگ اور ان کی وہ اولاد جو ایمان لائی گو عمل میں ان سے کسی قدر قصور بھی ہوا ہو تاہم جنتیوں کے پاس خاطر سے ان کی اولاد کو بھی جنت میں ان کے ساتھ لے جا شامل کریں گے اور ان سابقہ مومنوں میں سے کسی کو کم نہ کریں گے۔ یعنی اولاد کو بھی آباؤ اجداد والے درجے دیں گے۔ حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ نے فرمایا کہ اس سے مراد مہاجرین وانصار مومن اور ان کی تابع اولاد ہیں۔ (قرطبی و بحر محیط)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مومنین کی اولاد کے درجے بلند کرے گا اگرچہ عمل میں ماں باپ سے کم ہوں تاکہ ماں باپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ پھر آپ ﷺ نے یہی آیت تلاوت فرمائی (بیضاوی) نیز فرمایا کہ یہ مومن اور ان کی اولاد جنت میں ہوں گے اور کافر اور ان کی اولاد دوزخ میں ہوں گے

حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ بن علیؓ صحابی تھے اور حضرت معاویہؓ بن ابی سفیان دونوں باپ بیٹا صحابی مہاجر تھے اور حضرت معاویہؓ کا بیٹا یزید تابعی تھا جو ۲۲ ھ میں پیدا ہوا اور تابعین و تبع تابعین کا زمانہ خیر القرون کا زمانہ تھا جس کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا انه ابنة یزید لمن صالحی اهله حضرت معاویہ کا بیٹا یزید اپنے خاندان کے صالح بندوں میں سے ہے۔ (الامامة والسیاسة جلد ا ص ۲۰۲)

اور حضرت حسینؓ کے علاتی بھائی محمد بن الحنفیہؒ نے فرمایا کہ میں یزید کے

پاس مقیم رہا تو میں نے اسے پابند نماز پایا۔ علماء سے فقہی مسائل دریافت کرتا اور سنت طریقہ کے ساتھ چمٹا رہتا تھا خیر کا متلاشی تھا (تاریخ ابن کثیر جلد ۸ ص ۲۳۳)

پھر دور بھی خیر القرون کا تھا جس دور کی خیریت کی شہادت خود خاتم الرسل حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے دی ہے کہ

خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم

بہتر دور میرا ہے جس میں میں رہتا ہوں پھر بہتر دور اس کے ساتھ والا پھر تیسرا دور ہے اس اس کے ساتھ والا ہے۔

یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ

یزید ۲۲ھ میں عہد فاروقی میں دارالامارت دمشق (شام) میں پیدا ہوا۔ حضرت معاویہؓ نے اپنے بڑے بھائی یزید بن ابوسفیان کے نام پر آپ کا نام یزید رکھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب حضرت معاویہؓ پورے صوبہ شام کے ایک طاقتور اور پروقار گورنر تھے۔ جب یزید نے آنکھ کھولی تو دولت اور حکومت کو اپنے قدموں میں دیکھا۔ آپ کی ابتدائی زندگی بڑے آرام و آرائش سے گزری علوم اور فنون سپاہ گری، جانبازی بڑے لائق اساتذہ سے سیکھے۔ گو جوانی میں یزید کو سیر و شکار کا شوق تھا۔ لیکن عوام کے ساتھ مل جل کر رہنا اور ان کو خوش رکھنا اس کا جزو ایمان تھا۔

جس سن میں یزید پیدا ہوا تھا۔ اسی سن میں عبدالملک بن مروان بھی پیدا ہوئے۔ اور یہ دونوں بچے سن رشد کو پہنچ کر علمی فضائل اور نسبی اکتسابی خوبیوں سے بہرہ ور ہونے کے علاوہ اپنے اپنے وقت میں خلافت اسلامیہ کے منصب جلیلہ پر بھی فائز ہوئے۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۲۵)

مادری نسب

یزید کی والدہ ماجدہ سیدہ میسون نسباً یمنی کی مشہور شاخ بنوکلب سے تھیں۔اس قبیلہ کے اکثر لوگ۔حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کی تبلیغی کوششوں سے دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔چنانچہ بنوکلب کے کئی بزرگ مثلاً قطن بن زائر، فرائلہ کلبی وائل بن حجر وغیرہ رسول اللہؐ کے صحابی تھے۔اور قریشی خاندانوں کے ساتھ ان کلبیوں کی رشتہ داریاں بھی قائم تھیں۔مثلاً

ا حضرت عثمانِ غنیؓ کی زوجہ بی بی نائلہ بنت الفرافضہ کلبیہ

ب حضرت معاویہؓ کی زوجہ میسون بنت بحدل بن انیف کلبی

ج حضرت علیؓ کی زوجہ محیاتہ بنت امراء القیس بن عدی

د حسن بن علی کی زوجہ سلمیٰؓ بنت امراء القیس بن عدی

ر حسین بن علی کی زوجہ (باب، ام سکینہ) القیس بن عدی

س بی بی سکینہ بنت حسین کے شوہر مصعب کی والدہ بھی کلبیہ خاتون تھیں

اس سے ثابت ہوا کہ اکابر صحابہؓ اور قریشی بزرگ بنوکلب کی خواتین سے نکاح کرنا پسند کرتے تھے کیونکہ یہ نسوانی صفات کے اعتبار سے ایک امتیازی شان رکھتی تھیں۔

بی بی میسون بھی حسن وجمال کے ساتھ عقل ودانش میں ممتاز بڑی دیندار اور نیک خصائل خاتون تھیں۔حضرت معاویہؓ (گورنر شام) نے بنوکلب کے اس طاقتور قبیلے کے ساتھ رشتہ کرنا سیاسی اغراض کے لئے بھی بڑا مفید سمجھا کیونکہ۔بی بی میسون کے والد جلل لبی دومۃ الجندل کے رئیس اکیدر بن عبدالملک الکندی کے ماموں تھے اہل مکہ نے اسی

اکیدر کے بھائی بشیر بن عبدالملک سے لکھنے پڑھنے کا فن حاصل کیا تھا۔

یزید کی بہن رملہ حضرت عثمانؓ کے بیٹے عمرو بن عثمان کے عقد میں آئیں اور اسی رملہ کی بہو سکینہ بنت حسین تھیں۔ جو زید بن عمرو بن عثمان کی زوجیت میں آئیں۔

(کتاب المعارف مطبوعہ مصر ص ۱۴)

بچپن

قریشی گھرانوں کے دستور کے مطابق یزید کا زمانہ رضاعت بھی ننھیال قبیلہ کی دایہ کے خیمے میں بسر ہوا۔ یزید کی دایہ کا کنبہ بادیہ شام کے اس علاقہ میں مقیم تھا۔ جو ایک صدی تک اموی خلفاء کے بچوں کی پرورش گاہ بنا رہا تھا۔ جو خلیفہ عبدالملک اور ولید کے محلات تعمیر کرانے کے وجہ سے البادیہ کہلاتا تھا۔ اس طرح یزید نے محنت مشقت بے تکلف زندگی میں بھاگ دوڑ شتر سواری۔ گھوڑ دوڑ شہسواری اور سید افگنی کی مہارت یہیں حاصل کی۔ گویا کہ بچپن ہی سے آپ میں آثارِ نجابت وعلومرتبت پائے جاتے تھے۔

تعلیم وتربیت

یزید ایک غیر معمولی ذہانت کا طالب علم تھا۔ ثقہ مورخین نے بہ سبیل تذکرہ لکھا ہے۔ کہ یزید نے نوعمری ہی میں لسانیات اور دینیات میں امتیازی درجہ حاصل کرلیا تھا۔ قرآن مجید حفظ تھا۔ اور قرآت بڑے اچھے قاری کی طرح کرتا تھا۔ خطبات جمعہ وعیدین میں قرآنی آیات اور سورتیں مسلسل پڑھتا جاتا تھا۔ خوش بیانی اور حاضر جوابی میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔

یزید کی طالب علمی کے زمانہ میں درسی کتابیں ابھی مدون نہیں ہوئی تھیں۔ قرآن و حدیث کے علاوہ ادبیات (یعنی شعروشاعری) اور علم نساب صرف علماء کی صحبت اور خطبات سے حاصل کئے جاتے تھے۔ صحابیؓ رسول حضرت حجر بن حنظلہ الشیبانی الہذلی ساکن بصرہ یزید کے استاد تھے جو بڑے عالم تھے لیکن عالم الانساب کا ان پر غلبہ تھا (تہذیب التہذیب) جس کی وجہ سے وہ دِغفل النسابہ کے نام سے مشہور تھے ان ہی کے چچیرے بھائیوں میں سے حضرت امام احمد بن حنبلؒ ہوئے ہیں۔

حضرت دِغفل النسابہ جب بصرہ سے دمشق آئے تو امیر المومنین حضرت معاویہؓ نے ان کے تبحر علمی اور قوت لسانی کے پیش نظر یزید کے پاس رہنے اور اسے اپنی علمی صحبت سے مستفیض کرنے کی فرمائش کی۔ چنانچہ یزید کو عرصہ تک ان کے علمی خرمن سے خوشہ چینی کے مواقع حاصل رہے۔ دینی علوم اور ادبیات کے علاوہ مجاہد اسلام کی رومی عیسائیوں کی بدمست فوجی طاقت کے مقابلے میں، بہادرانہ تہورانہ اور مجاہدیانہ جہادی سرگرمیوں کے کارنامے آج تک تاریخ کے اوراق پر ثبت ہیں۔

۴۱ھ میں جب دمشق (شام) کو دارالخلافت ہونے کا امتیاز حاصل ہوا۔ تو یزید کی عمر اس وقت انیس سال کی تھی۔ حجاز اور دوسرے علاقوں سے اکثر صحابہؓ رسولؐ امیر المومنین حضرت معاویہؓ کے پاس دمشق آئے اور مقیم ہوئے۔ یزید کو ان صحابہؓ رسول اللہؐ کی خدمتیں کرنے اور ان کے فیضانِ صحبت سے مستفیض ہونے کے بے بہا مواقع حاصل ہوئے۔

حضرت عبدالمطلب بن ربیعہ بن الحارث بن عبدالمطلب ہاشمی (یعنی رسول اللہ کے چچازاد بھائی) خلافت فاروقی میں مدینہ سے دمشق چلے گئے تھے اور وہیں سکونت اختیار کر لی تھی۔ وہ یزید سے اس کی صلاحیتوں کی بناء پر ان سے بہت محبت کرتے تھے یہاں تک کہ اپنی وفات سے پہلے انہوں نے یزید کو اپنا وصی اور وارث بنایا۔

(جمہرۃ الانساب ص ۶۴ البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۲۱۳)

صحابہ کرامؓ وعلماء وصلحاء کی صحبتوں کے علاوہ یزید اپنے والد محترم کی مجالس میں بالالتزام حاضر رہتے جو ایسے ذہین فطین اور اخاذ طبیعت کا نوجوان کیلئے درسگاہ کی حیثیت رکھتی تھیں۔

خطابت

۱۰ رجب ۶۰ھ میں والد محترم حضرت معاویہؓ کی اچانک وفات پر یزید کو بڑا رنج وملال ہوا۔ چہرے سے قلبی اذیت کا صاف اظہار ہو رہا تھا۔ جب آپ امیر المومنین کی حیثیت سے جامع مسجد دمشق میں خطبہ دینے آئے۔ تو صحابہ رسولؐ حضرت ضحاک بن قیس الفہری جو اسوقت عامل دمشق تھے ان کی یہ کیفیت دیکھ کر منبر کے پاس آ بیٹھے کہ شاید مافی الضمیر پوری طور ادا نہ کر سکیں۔ (البدایہ والنہایہ جلد۲ ص ۱۳۷)

لیکن یزید نے ان کے اس شبہ کا احساس کر کے ان سے کہا کہ: اے ضحاک! کیا آپ بنی عبد شمس کو تقریر سکھانے کے لئے یہاں بیٹھے ہیں؟

اس کے بعد مندرجہ ذیل خطبہ دیا جن میں نہ کسی کی ستائش ہے۔ نہ کسی مزعومہ حق کا ارشاد ہے:-

(۱) سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے جس کو چاہتا ہے منع کرتا ہے جس کو چاہے ذلیل کرے جس کو چاہے سر بلند کرے۔ معاویہ بن ابو سفیانؓ کو چاہا اسے دراز کیا جب اس کو قطع کرنے کا ارادہ کیا اسے قطع کر دیا۔ وہ اپنے پیشرووں سے کم تر اور آئندہ آنے والوں سے بہتر تھے۔ میں اللہ تعالیٰ کی جناب میں ان کا تذکیہ نہیں کر رہا ہوں۔ وہ تو اپنے رب کے پاس چلے گئے جو اگر ان کو معاف کرے تو یہ اس کی رحمت ہے اور اگر سزا دے تو یہ گناہ کا بدلہ ہوگا۔

ان کے بعد میں اس امر خلافت کا ولی بنایا گیا ہوں۔ میں جہل کا عذر نہیں کرتا اور طلب علم سے مایوس نہیں۔ آپ لوگ سنبھل کر رہیں اور یقین کریں کہ اللہ تعالیٰ

جس چیز کو پسند کرتا ہے اسے بدل دیتا ہے اور جس چیز کو محبوب رکھتا ہے۔ اسے آسان کر دیتا ہے۔

۲ امیر یزید اپنے خطبات میں اکثر بیشتر قرآنی آیات اور سورتیں تلاوت کرتے اور فرماتے اِنَّ اَحسَنَ الحدیث وَاَبلغ الموعظة کتاب الله یعنی بہترین بات اور عمدہ نصیحت کتاب اللہ ہے (العقد الفرید جلد ۲ ص ۳۵۸)

۳ امام احمد بن حنبل اپنی کتاب "الزہد" میں یزید کے ایک خطبے کے دوران ان کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ یزید موصوف نے فرمایا
تم میں سے جب کوئی کسی مرض سے بیمار پڑ جائے اور پھر شفا پا کر صحت یاب ہونے لگے تو اسے غور کرنا چاہیے کہ ان نے کونسا اچھا عمل کیا تھا کہ پھر اس پر مداومت کرے پھر یہ سوچے کہ کونسا برا عمل اس نے کیا تھا کہ اسے ترک کر دے:

۴ امام شہاب الدین متوفی ۳۲۸ھ نے اپنی کتاب العقد الفرید جلد ۲ کے ص ۴۱۵ پر خلفائے راشدین کے خطبات کے آخر میں یزید کے خطبات بھی شامل کئے ہیں۔

۵ امام غزالی کے خلیفہ اور شاگرد قاضی ابوبکر بن العربی (متوفی ۵۴۳ھ) فرماتے ہیں کہ امام احمد حنبلؒ کے نزدیک امیر المومنین یزید کی عظیم منزلت تھی کہ ان کے خطبے سے اس قول کو لے کر اس مقام پر نقل کیا۔ جہاں صحابہ کے بعد اور تابعین سے پہلے متقین کے خطبات اور موعظ اور ان کو طبقہ زہاد صحابہؓ و تابعین میں داخل کیا۔

(کتاب العواصم من القواصم صفحہ ۲۳۳)

۶ علامہ بلاذری نے ایک موقع پر یزید کا یہ حکیمانہ قول درج کیا ہے کہ

ندیم وجلیس کا تحفظ اور اس کی عزت وتوقیر کرنا خلیفہ کے کرم نعمت کے شکر کے ادا کرنے کا ذریعہ ہے۔ (انساب الاشراف جلد۴ ص۱۰ مطبوعہ یوروشلم)

یزید قریش کے خطباء میں امتیازی شان رکھتا تھا وہ اپنی برجستہ اور زوردار تقریروں کی وجہ سے (الخطیب الاشدق) کہلاتا تھا۔

حلم وکرم

یزید بڑا حلیم وکریم تھا۔ یہ اوصاف اسے اپنے والد محترم کی پاکیزہ سیرت سے وراثت میں ملے تھے۔ ایک موقع پر حضرت معاویہؓ نے اپنے بیٹے یزید سے فرمایا تھا کہ:

فرزند عزیز! علم وبردباری کے عمل سے نہ کبھی ذلت ہوتی ہے نہ سب کی مخالف رام ہو جاتا ہے اور معاند کی زبان گنگ ہو جاتی ہے۔ یزید نے اپنے والد کے اس ارشاد پر ہمیشہ عمل کیا اور حلم وکرم کیساتھ مخالفین اور معترضین سے درگزر فرماتا مثلاً

(۱) ایک مرتبہ عبدالرحمٰن بن حسان یزید کے پاس آئے امیر نے انؒ کے حسب توقع خاطر ومدارات نہ کی اس پر انہوں نے امیر کی ہجو میں کچھ اشعار کہے۔ امیر یزید کے اعیان میں سے مسلم بن عقبہ نے آپ کو کہا۔ آپ ان کو قتل کر دیجیے کیوں کہ امیر المومنین کے حلم نے لوگوں کو آپ پر بہت جری کر دیا ہے

امیر یزید نے فرمایا کہ! ہم نے ان کے ساتھ خشکی ہوتی تھی اور محروم رکھا تھا۔ اس لئے اس ہجو کے ہم مستحق ہو گئے۔

ان کے بعد آپ نے انہیں تیس ہزار درہم بھیجوائے تو آپ کی مدح کی۔

(انسب الاشراف جلد۶ ص۱۱ مطبوعہ یروشلم)

(۲) مورخ ابوالحسن المدائنی ایک واقعہ نقل کرتے ہیں کہ ایک شاعر ابن ہمام السلونی نے ایک قصیدے میں بنوامیہ کی دشمنی میں چند شعر کہے۔ امیر المومنین کے حکم پر ابن زیاد حاکم بصرہ نے ابن ہمام کو گرفتار کر کے دربار میں پیش کیا۔

ابن ہمام نے خلیفہ یزید کی خدمت میں حاضر ہو کر امیر معاویہ کی وفات پر تعزیت کی اور خلافت کی مبارک باد دی۔ پھر ان کے صاحبزادہ معاویہ ثانی کی خدمت میں جا کر ان سے امان طلب کی۔ اس کی سفارش پر ابن ہمام کو معاف کر دیا گیا۔ اس معافی کا نتیجہ تھا کہ ایک ہجو گو معاند مداح و ثنا خواں بن گیا۔

غرض کہ والد محترم حضرت معاویہؓ کی تربیت نے اس ذہین فرزند کی فطری صلاحیتوں کے سنوارنے اور خیر القرون کے بقیہ صحابہ کرام و تابعین کی مجلسوں اور صحبتوں کے ماحول کے اثرات نے امیر یزید میں وہ پاکیزگی پیدا کی کہ غیر مسلم مورخ بھی ان کے حلم و کرم۔ رحم دلی اور دیگر صفات حسنہ کے معترف ہیں۔

یتیموں اور مسکینوں کی خبر گیری

اس رحم دلی کے جذبہ کا اثر تھا کہ یزید نو عمر ہی سے یتیموں اور مسکینوں کی خدمت اور خبر گیری پر مستعد رہتا۔ چنانچہ مشہور ہے کہ بنی عدی کے یتیموں کو لا کر اپنے مکان میں رکھا۔ اور ان کی خبر گیری و خدمت اپنی ذات پر لازم کر لی۔ اپنی جیب خرچ کی رقم اس کار خیر میں صرف کرتا تھا۔ یزید نے ایک مرتبہ حضرت معاویہؓ سے درخواست کی کہ بنی عدی، بنی سہم اور بنی جمح کے یتیموں کی پرورش کیلئے رقوم وظائف معین فرمائیں۔ حضرت معاویہؓ نے یزید کے سر پر بوسہ دیکر یہ درخواست قبول کر لی۔

دینی حرارت وملی خدمات

زمانہ شباب میں مجاہدین، شہدا اور صحابہ کرام کی عظیم جہادی سرگرمیوں کی قدرو قیمت اور فدا کارانہ دینی خدمات کی پیروی کیلئے یزید کو ان ہی جیسے تاثرات نے مجاہانہ اقصامات کی غرض سے تیغ بکف میدانِ جہاد میں لا کھڑا کیا۔

۱ امیر المومنین حضرت معاویہؓ کا دورِ خلافت زبردست اسلامی فتوحات کا زمانہ تھا۔ علائے کلمۃ الحق کے ساتھ ساتھ اقوام عالم کے فرسودہ غیر صالح نظام اور عادلانہ نظام قائم کرنے کی جذبہ سے سرشار غازیانِ اسلام کا سیل رواں بڑھتا جارہا تھا۔

یہ تھا وہ ماحول جس میں امیر یزید نے شعور کی آنکھیں کھولیں امیر المومنین حضرت معاویہؓ نے رومی عیسائیوں کے خلاف ۱۶ مرتبہ غزوات اور جہاد کیئے وہ قسطنطنیہ پر گرمیوں اور سردیوں میں جُداگانہ عسکری مہمیں بھیجا کرتے تھے۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۲۳)

امیر یزید جیسے پرجوش قریشی نوجوان کو جہادی سرگرمیوں میں حصہ لینے کی تڑپ بے چین رکھتی تھی آخر کار اپنے والد سے درخواست کی کہ اس سال ۴۹ھ کی گرمیوں کی عسکری مہم میں مجھے تعینات کیا جائے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۲۲۷)

۲ ایرانی سلطنت کا تو عہد فاروقی (۱۵ھ) ہی میں قلع قمع ہو چکا تھا۔ اب اسلام کی مخالف ایک زبردست قوت (قسطنطنیہ کی بازنطینی رومی حکومت) باقی تھی۔ خلیفۃ الرسول حضرت صدیق اکبر نے یزید بن ابوسفیان۔ ابوعبیدہ بن الجراح۔ سیف اللہ خالد بن ولید اور دیگر امراء کو جہاد شام پر متعین کیا تھا۔ انہوں نے رومیوں کو شکست دے کر شام اور

فلسطین کو فتح کرلیا۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظمؓ نے یزید بن ابوسفیان کی وفات پر ان کے بھائی معاویہؓ بن ابی سفیانؓ کو حاکم شام مقرر کیا۔ امیر المومنین حضرت معاویہؓ نے خلافت فاروقی اور خلافت عثمانی میں رومیوں کو بری و بحری معرکوں میں شکستیں دیں۔ لیکن مدینہ قیصر قسطنطنیہ پر ابھی تک پیش قدمی نہیں کی گئی تھی۔ اس لئے غازیانِ اسلام روی سلطنت کے صدر مقام کو فتح کرنے کا خیال رکھتے تھے۔ ۳۶ھ میں صفین میں عربوں کی خانہ جنگی کے نتائج نے حضرت معاویہؓ کی جہادی سرگرمیوں کو چند سال کے لئے ملتوی کر دیا۔ لیکن آپ نے ۴۱ھ میں خلافت کی باگ اپنے ہاتھ میں لیتے ہی کئی سال کی مسلسل جدوجہد سے جہازوں کا ایک عظیم بحری بیڑا تیار کیا۔ جو سب سے پہلا اسلامی جنگی بیڑا تھا۔ اس میں ۱۷۰۰ جنگی کشتیاں مع ساز و سامان ہر وقت تیار رہتی تھیں۔

جہادِ قسطنطنیہ

۶۲۸ء بمطابق ۴۸ھ میں حضرت معاویہؓ نے جہادِ قسطنطنیہ کے لئے بری و بحری حملوں کا انتظام کیا۔ اور رومی سلطنت کی سیاسی طاقت کے استیصال کے لئے مجاہدین کی دو فوجیں تیار کیں۔ سردیوں میں لڑنے والی فوج شواتی اور گرمیوں کی فوج سوائف کہلاتی تھی۔ اس جہاد کے لئے بڑے اہتمام سے تیاریاں کی گئیں۔ مختلف قبائل قریش اور انصار کے پاس قاصدوں کے ذریعے چٹھیاں بھیجیں اور خواہش کی گئی کہ وہ یزید کے ساتھ رومیوں کے خلاف جہاد میں شرکت کریں۔ چنانچہ اس وقت قیادتِ یزید پر کسی شخص نے بھی اختلاف نہ کیا۔

سب سے پہلے ۴۹ھ میں شامیوں کی ایک شامیہ فوج سفیان بن عوف کی سرکردگی میں جہاد قسطنطنیہ پر روانہ کی گئی یہ فوج راستہ میں ایک جگہ دلدل میں پھنس کر رہ گئی اس کے پیچھے آپ نے مہم صائفہ پر اپنے جوان سال بیٹے یزید کو سپہ سالار بنا کر بھیجا۔ اس لشکر میں حجازی قبائل کے غازیوں کے علاوہ بڑے بڑے صحابہ رسول مثلاً عبداللہ بن عباس۔ عبداللہ بن عمر۔ ابوایوب انصاری۔ عبداللہ بن زبیر اور حسین بن علی جیسے قریشی نوجوان بھی شامل تھے۔ جو مغفرتِ موعودہ حاصل کرنے کے لئے شامل جہاد ہوئے اسلامی بحری بیڑہ جنادہ بن ابی امیہ کی کمان میں درہ دانیال پہنچا اور رومی بیڑے کو شکست دے کر شہر سائیزکس پر قبضہ کر کے اسے اپنا فوجی کیمپ بنا لیا۔ پھر باسورس کی ناکہ بندی کر کے ۴ سال تک محاصرہ جاری رکھا۔

حدیث بشارت مغفرت

صحیح بخاری (جلد ا ص ۴۱۰، نیز ۳۹۱، ۳۹۲، ۴۰۳، ۴۰۵، ۴۰۹، ۴۱۰، ۹۲۹، ۱۰۳۶) میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا

اَوَّلُ جَیشٍ مِنْ اُمَّتِي یَغْزُوْنَ مَدِیْنَةَ قَیْصَرَ مَغْفُوْرٌ لَهُمْ.

میری امت میں سے پہلا لشکر جو قیصر روم کے شہر پر جا کر جہاد کرے گا وہ بخشا ہوا ہے۔اس کی مغفرت ہوگی اور بخاری (جلد ا ص ۱۵۸) میں ہے کہ محمود بن الربیع فرماتے ہیں کہ جس لشکر کے غزوہ کا ذکر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس لشکر کا امیر یزید بن معاویہؒ تھا۔ روم کے ملک میں و یزید بن معاویه علیهم بارض روم

اس حدیث (جلد ا ص ۴۱۰) کے بارے میں شارح صحیح بخاری نے لکھا ہے کہ مدینۂ روم کا پہلا غازی یزید بن معاویہ تھا اور اس کے ساتھ سادات صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت تھی۔ جیسے عبداللہ بن عمر۔ عبداللہ بن عباس و عبداللہ بن زبیر اور ابوایوب انصاری وغیرہم۔

فتح الباری میں ہے کہ المحلب نے کہا کہ اس حدیث میں حضرت معاویہؓ اور ان کے بیٹے یزید بن معاویہؒ کے منقبت ہے۔

لیکن ابن تین اور ابن منیر نے اس پر اعتراض کیا کہ ضروری نہیں کہ اس عموم میں یزید بھی داخل ہو کیونکہ اہل علم میں کسی کا اختلاف نہیں کہ یہ عام مخصوص منہ البعض ہے۔ کیونکہ غزوہ میں شریک ہونے والا اس کے بعد اگر مرتد ہو جائے وہ قطعاً اس عموم سے خارج ہوتا ہے۔تو اس حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ اس جہاد میں شریک ہونے والا مغفور لہ ہے

بشرطیکہ مغفورلہ ہونے کی شرط اس میں موجود ہو۔

مگر یہ ان کا قول اس وقت درست ہے جب کہ یزید کا مرتد ہونا دلائل قطعیہ سے ثابت ہو جائے جب دلیل قطعی ارتداد یزید کی نہ ملے تو خواہ مخواہ اس کو مرتد ہونے کی گالی دینا حرام ہے

نیز عموم کو خصوص میں بدلنا تغییر حکمِ رسول ہے جس کا حق امتی کو نہیں۔ نیز یہ شرط لگانے سے صرف یزید ہی اس ارتداد کا مصداق ہے یا اور بھی کوئی ہے اگر ہے تو واضح کیا جائے کہ اس غزوہ میں شریک کتنے مرتد ہو گئے تھے۔ جب کوئی ثبوت نہیں تو صرف یزید کی وجہ سے حکم رسول ؐ میں تغییر کی جارہی ہے جب کہ عام غیر مخصوص منہ البعض میں سے بعض کو مستثنیٰ کرنا قطعی حکم کو ظنی بنانا ہے اور اصولی قاعدہ ہے کہ شرط واستثنا سے بیان تغییر ہوتا ہے۔ جیسے اصولی مسئلہ ہے۔ اگر یزید مستثنیٰ ہوتا تو نبی کریم ﷺ خود استثنا فرما دیتے اور یہ فرما دیتے کہ اس لشکر کا سپہ سالار اس بشارت سے مستثنیٰ ہوگا۔

جیسے بیعت الرضوان کے موقع پر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لیدخلن الجنة من بایع تحت الشجرة اِلّا صاحب الجمل الاحمر (ترمذی جلد۲ ص۲۲۵)

جس جس نے اِس درخت کے نیچے بیعت لے لی تو وہ ضرور جنت میں جائیگا مگر یہ لال اونٹ والا نہ جائیگا اسی لیے مدینہ قیر والی حدیث کی بابت امام سیوطیؒ نے الحاوی للفتاوی (جلد۲ ص۲۷۳) میں فرمایا کہ

ومن یدعی الخصوص فیه بغیر مخصص عنه صلی اللہ علیه وسلم فمتعسف

یعنی نبی کریم ﷺ نے جس کی تخصیص نہ کی ہو پھر اس میں تخصیص کا دعویٰ کرنے

والا مصحف اور بے راہ رو ہے یعنی ایسے معنے پر حمل کرنا جس پر دلالت ظاہر نہ ہو۔

پھر حضرت امامنا فی الدین حضرت حسینؓ نے اپنی زندگی میں کبھی یزید کے بارے کفر یا فسق کا ذکر نہیں کیا۔ خاص کر جو تقریریں سفر کے دوران کربلا تک کیں ان میں کوئی ایسی بات نہیں جس میں یہ ذکر ہو۔ اور نہ ہی کوئی عینی شاہد ملتا ہے جس نے کہا ہو کہ فلاں جگہ میں نے فلاں وقت میں یزید کو کفر بکتے سنا یا فلاں مجلس میں میں نے یزید کو شراب پیتے ہوئے دیکھا یا غیر محرم عورت کے ساتھ بد فعلی کرتے ہوئے دیکھا کالمیل فی المکحلہ

اس دور میں شیعہ کا پروپگنڈا بہت تھا تو فسقِ یزید کی خبریں بہت اڑائی جا رہی تھیں۔ تو مؤرخین نے وہ باتیں لکھ ماریں پھر اس پر تبصرے کرنے شروع کر دیے عامی آدمی سچ سمجھنے لگ گئے جیسے امامنا فی الدین حضرت حسنؓ کے بارے میں مشہور کر دیا کہ بہت طلاقیں دینے والا۔ کہ انہوں نے بہت نکاح کئے اور پھر طلاقیں بھی بہت دیتے تھے۔

سچ یہ ہے کہ وہ زمانہ خیر القرون کا تھا صحابہ کرام کی بڑی جماعت بھی موجود تھی اس دور میں ایسا فاسق فاجر اور بے دین تختِ خلافت پر بیٹھ ہی نہ سکتا تھا۔ بلکہ ایسے فاسق فاجر کا تختِ خلافت پر بیٹھنا صحابہ کرامؓ کے ضعفِ ایمانی کی غمازی کرتا ہے (جو کہ صرف شیعہ مذہب کا ایمان ہے) کیونکہ آنحضرت ﷺ نے امۃ محمدیہ کو فرمایا

جیسے تم ہو گے تم پر امیر بھی ایسے ہی ہوں گے۔ ہاں البتہ یہ الگ بات ہے کہ فاضل کی بجائے مفضول کو کسی وجہ سے ترجیح دی جائے اور کسی کے زبانی نہیں سنا کہ عمر بن عبدالعزیز خلیفہ فاسق تھا۔ اس حدیث کو سامنے رکھ کر کوئی کہہ سکتا ہے کہ صحابہ کے دور کے بعد پھر سے اچھا دور پلٹ آیا کہ امت کو خلیفہ راشد مل گیا۔ مگر ہمارا خیال یقین کی حد تک

ہے کہ اہل سنۃ والجماعت میں سے کوئی بھی ایسا نہ کہہ سکے گا۔ بس حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا فرمان سولہ آنے ٹھیک ہے کہ خیر الناس قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم میرے دور کے لوگ یعنی صحابہ کرامؓ سب سے بہتر ہیں پھر دور ے نمبر پر وہ لوگ ہیں جو صحابہ کے بعد والے ہیں یعنی تابعین پھر ان کے بعد وہ ہیں جو ان کے بعد متصل آئیں گے یعنی تبع تابعین۔ ان تین دوروں کے بعد ایسا دور آ جائیگا جس میں حالات بدل جائیں گے۔

حاشیہ بخاری جلد ا ص ۲۱۰ میں قسطلانی کے حوالے سے اور عینی نے عمدۃ القاری میں جلد ۱۴ ص ۱۹۹ اور ابن حجر نے فتح الباری جلد ۲ ص ۸۰۷ میں لکھا ہے کہ غزوۂ قسطنطنیہ (مدینہ قیصر) میں یزید بن معاویہؓ کے ساتھ جہاد میں عبد اللہؓ بن عمرؓ، عبد اللہ بن زبیرؓ۔ ابوایوب انصاری اور دیگر کثیر جماعت صحابہ کرامؓ کی تھی۔

بخاری جلد ۲ ص ۱۰۵۳ میں حضرت عبد اللہ بن عمر کا قول منقول ہے انا قد بایعنا ھذا الرجل علی بیع اللہ ورسولہ

بلاذری جلد ۴ ص ۴ اور الامامۃ والسیاسۃ جلد ا ص ۲۰۲ میں ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے فرمایا انہ ابنۃ یزید لمن صالحی اھلہ معاویہؓ کا بیٹا یزید اس کے گھر والوں کے صالحین میں سے ہے

تاریخ ابن کثیر جلد ۸ ص ۲۳۳ میں ہے قال محمد بن الحنفیہ و قد حضرتہ و اقمت عندہ فرأیتہ مواظباً علی الصلوۃ متحر یا للخیر یسأل عن الفقہ وملازما للسنۃ

تاریخ ابن کثیر جلد ۱۲ ص ۱۷۳ میں بھی ہے۔

یہی وہ پہلا اسلامی لشکر ہے جس نے رومی دارالحکومت قسطنطنیہ پر جہاد کیا۔ اسی اسلامی لشکر کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے قریباً ۴۰ سال پیشتر فرمایا کہ

اَوَّلُ جُیشٍ مِنْ اُمَّتِي یَغْزُوْنَ مَدِیْنَةَ قَیْصَرَ مَغْفُوْرٌ لَهُمْ .

یعنی میری امت کی پہلی فوج جو قیصر کے شہر (قسطنطنیہ) پر جہاد کرے گی اس کے لئے مغفرت ہے۔ (حدیث بخاری مطبوعہ اصح المطابع دہلی)

لہٰذا اس حدیث کے مطابق ان سب بری و بحری غازیوں کے لئے جنت واجب ہوگئی۔ کہا جاتا ہے کہ اسی حدیث مغفرت کی خاطر امیر یزید نے قسطنطنیہ پر جہاد کیا تھا۔

(منہاج السنہ جلد۲ص۲۵۲)

حضرت ابوایوب انصاری کی وفات

اسی جہاد قسطنطنیہ کے دوران ۸۰ سالہ میزبانِ رسول اللہ ﷺ حضرت ابوایوب انصاری کی وفات ہوئی۔ اس بڑھاپے میں آپ نے اتنے دور دراز مقام پر جہاد میں شرکت حدیث نبوی کی بشارت مغفرت کیوجہ سے کی تھی۔ جب کہ آپ کا آخری وقت آ پہنچا تو آپ نے سالار لشکر امیر یزید کو وصیت کی کہ میرا جنازہ دشمن کی سرزمین میں جتنی دور لے جاسکو لے جا کر دفن کرنا۔ مسلمانوں کو میرا اسلام پہنچانا اور یہ حدیث سنانا جو میں نے رسول اللہ ﷺ کی زبانِ مبارک سے سنی ہے۔ کہ جو شخص اس حالت میں فوت ہوا اللہ کے ساتھ کسی شے کو شریک نہ کرتا تھا۔ اللہ اسے جنت نصیب کریں گے۔

(البدایہ والنہایہ جلد ص ۵۹)

جب فوت ہوئے تو یزید نے اس محترم صحابی رسول ﷺ کی نماز جنازہ پڑھائی اور حسب وصیت شہر قسطنطنیہ کی فصیل کے پاس دفن کیا جہاں آج کل آپ کا عالیشان مزار واقع ہے۔ عثمانی ترکوں نے مزار کے قریب ایک جامع مسجد تعمیر کرائی جواب تک جامع ابوایوب کہلاتی ہے اسی مسجد میں خلفائے آل عثمان کی تاجپوشی کی رسم ادا کی جاتی تھی۔

اب ظاہر ہے کہ تمام مسلمانوں نے جو یزید کے لشکر میں شامل تھے۔ بشمول صحابہ کرامؓ و حضرت حسین بن علیؓ نے جنازہ کی نماز یزید کی امامت میں پڑھی اور میزبان رسول کی تدفین میں شریک رہے۔

امیر آشکیب ارسلان اپنی کتاب "حاضر العالم الاسلامی" میں زیر عنوان محاضرات العرب القسطنطنیہ بحوالہ طبقات ابن سعد لکھتے ہیں کہ :-

ابوایوب انصاری بیمار پڑے تو امیر لشکر یزید بن معاویہؒ ان کی عیادت کو آئے اور پوچھا کہ آپ کی جو خواہش ہو فرمایئے۔ انہوں نے کہا کہ ہاں! میری خواہش یہ ہے کہ جب میں مرجاؤں تو میرا جنازہ دشمن کی سرزمین میں لے جانا جہاں تمہیں راہ ملے اور جب راہ نہ پاؤ تو دفن کر دینا پھر لوٹ آنا۔ جب وہ فوت ہو گئے تو امیر ان کا جنازہ لے کر سرزمین عدو میں گئے۔ جب آگے راہ نہ پائی تو ان کو شہر پناہ کے پاس دفن کر دیا اور لوٹ آئے۔ ابو ایوب انصاری نے مرتے وقت یہ بھی کہا تھا۔ کہ میرا اسلام لوگوں کو پہنچا دینا اور میں تم لوگوں سے وہ حدیث بیان کرتا ہوں جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اس حالت میں فوت ہوا کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا ہو تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔

پس یزید نے لوگوں سے وہ باتیں بیان کیں جو انہوں نے فرمائیں ان کی وفات اس سال ہوئی جب امیر یزید نے قسطنطنیہ پر اپنے والد ماجد حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں جہاد کیا تھا۔ یزید بن معاویہؒ ہی نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ انکی قبر قسطنطنیہ کے قلعہ کی فصیل کے پاس ہے۔ یہ واقعہ ۵۰ھ بمطابق ۶۷۲ء کا ہے۔

مؤلف کتاب ناسخ التواریخ لکھتا ہے کہ

ابوایوب انصاری نے جہاد قسطنطنیہ میں یزید کے لشکر میں وفات پائی اور امیر موصوف ہی نے ان کی تدفین کا انتظام کیا۔ جب قسطنطنیہ کے لوگوں نے پوچھا کہ یہ کیا کر رہے ہیں جو ہم دیکھ رہے ہیں؟ تو اس نے رومی عیسائیوں سے مخاطب ہو کر فرمایا!

اے اہل قسطنطنیہ! یہ ہمارے نبی محمد ﷺ کے ممتاز صحابی کا جنازہ ہے۔ جس کو ہم نے دفن کیا ہے۔ خدا کی قسم اگر ان کی قبر کو کسی قسم کا ضرر پہنچا تو یاد رکھو کہ سرزمین اسلام میں ہر

کلیسہ اور گرجا کو بیخ و بنیاد سے اکھاڑ دیا جائیگا اور خطۂ عرب میں پھر ناقوس کی آواز سنائی نہ دے گی۔ (جلد ۲ کتاب دوم ص ۶۶ ناسخ التواریخ)

موئف عقد الفرید مطبوعہ مصر جلد ۳ ص ۱۳۳ پر لکھتا ہے کہ:-

جب ابو ایوب انصاری کو ان کی حسب وصیت قسطنطنیہ کی فصیل کے نیچے دفن کر رہے تھے تو قیصر روم نے امیر یزید کے پاس پیغام بھیج کر حال معلوم کرنا چاہا کہ یہ کیا کر رہے ہو؟ اور کیوں کر رہے ہو۔ تو امیر یزید نے جواب دیا کہ یہ ہمارے نبیؐ کے صحابیؓ کا جنازہ ہے۔ انہوں نے تمہارے ملک کے اندر لے جا کر دفن کرنے کی خواہش کی تھی اب ہم ان کی وصیت کی تعمیل کر رہے ہیں۔ اگر تم مانع ہو تو ہم دفن ضرور کریں گے۔ خواہ ہم کو اپنی جانیں اس پر دینی پڑیں"

امیر یزید کی یہ بات سن کر قیصر کے منہ سے یہ خباثت آمیز جملہ نکلا کہ:-

" تم لوگ جب یہاں سے لوٹ جاؤ گے تو یہ نعش نکال کر کتوں کو دے دیں گے"

میزبانِ رسولؐ کی نعش کی بے حرمتی کے متعلق یہ الفاظ سن کر امیر یزید میں برداشت کی تاب نہ رہی عرب غازیوں کا فوجی دستہ بجلی کی طرح رومیوں کے ہجوم کی طرف لپکا۔ اللہ اکبر کے فلک شگاف نعروں کی گونج میں ایسا شدید حملہ کیا کہ رومیوں کو قلعہ بند ہونا پڑا۔ قلعہ کے پھاٹک پر پہنچ کر امیر یزید نے لوہے کے گرز سے اس زور سے ضربیں لگائیں کہ پھاٹک میں کئی شگاف پڑ گئے۔ (آغانی جلد ۱۶ ص ۳۳)

رومیوں کو شکست دینے کے بعد امیر یزید نے بابِ قسطنطنیہ پر قیصر روم کو للکارا اور کہا کہ:-

اگر مجھ کو یہ خبر پہنچی کہ ان (ابو ایوب) کی قبر کو توڑا پھوڑا گیا یا مسخ کیا گیا ہے تو یاد

رکھو کہ میں ایک نصرانی کو بھی جو عرب کی سرزمین میں موجود ہوگا زندہ نہ چھوڑونگا اور نہ کسی گرجا کو بغیر مندم کئے رہنے دونگا۔

قیصر روم بوغا ناتس کو ان تہدید آمیز کلمات اور امیر یزید کے بے باکانہ حملہ سے کچھ ایسا خوف دامنگیر ہوا۔ کہ حضرۃ مسیحؑ کی قسم کھا کر اس نے یقین دلایا کہ قبر کی بے حرمتی نہیں کی جائے گی۔ بعد میں قیصر روم نے اس قبر پر قُبہ بھی بنوا دیا تھا۔

(عقد الفرید جلد ۳ ص ۱۳۳)

قلعہ قسطنطنیہ کی فصیل چونکہ بڑی مضبوط اور قدرتی طور پر محفوظ تھی اس لئے مسلمان اسے فتح کر کے قبضہ نہ کر سکے۔ رومیوں نے آتش زنی کر کے اسلامی بیڑے کی بہت سی کشتیاں جلا دیں علاوہ ازیں وہاں کی سردی کی شدت عربوں کے لئے ناقابل برداشت تھی اس لئے مجبوراً ۵۱ھ میں واپس لوٹنا پڑا

مؤرخ المسعودی اپنی تالیف تنبیہ الاشرف کے ص ۱۴۰ پر لکھتا ہے کہ

زمانہ اسلام میں ساحل سمندر سے چل کر تین امراء نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا تھا۔ ان میں سب سے اول یزید بن معاویہؓ بن ابوسفیانؓ ۴۹ھ دوم مسلمہ بن عبدالملک بن مروان ۹۸ھ اور تیسرا ہارون الرشید بن مہدی تھا۔

مشہور یورپین مورخ ایڈورڈ گبن اپنی تالیف (تاریخ دوم کا عروج و زوال کے ص ۲۸۶ پر لکھتا ہے کہ

قسطنطنیہ کے معرکہ جہاد میں امیر معاویہؓ کے فرزند یزید کی موجودگی اور اس کی شجاعت و بسالت کی مثال اس وقت اسلامی فوج کے سپاہیوں کی حوصلہ افزائی کا موجب اور سبب بن گئی تھی۔

فتی العرب (یعنی عرب کا بہادر نوجوان)

امیر یزید نے متواتر ۴۹ھ تا ۵۶ھ عیسائیوں کے خلاف جہادوں اور عظیم معرکوں میں کارہائے نمایاں انجام دیئے جزیرہ قبرص۔ جزیرہ رہوڈز۔ جزائر بحیرہ ابیض اور بلاد ایشیائے کوچک فتح کر لئے حتی کہ خود مدینہ قیصر روم قسطنطنیہ (موجودہ استنبول) پر بڑی افواج سے حملہ کرنے میں اسے آزمایا جا چکا تھا۔ لہٰذا اس کے حسنِ انتظام اور ذاتی شجاعت و شہادت کے پیشِ نظر ملتِ کی طرف سے اسے فتی العرب کا خطاب دیا گیا۔ امیر یزید ہی اسلام میں وہ پہلے اور آخری شخص ہیں جنہوں نے بہادر ترین عرب کا خطاب حاصل کیا۔

(پروفیسر فلپ ہٹی تاریخ عرب ص ۲۰۱) (طبقاتِ ابن سعد طبری)

امارتِ حج

امیر المؤمنین حضرت معاویہؓ نے جہاد قسطنطنیہ سے واپسی پر اپنے جوان سال بیٹے یزید کو امیرِ حج مقرر کیا اور متواتر تین سال تک یزید نے امیرِ حج کے فرائض انجام دیئے۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۳۳)

اسلامی دنیا کے جو مسلمان مکہ معظمہ مین جمع ہوئے وہ امیرِ حج کے خطبات سے مستفیض ہوتے۔ خطبہ ماثورہ کے ساتھ وقتی ضروریات ملیہ پر ہدایات اور نصائح حاصل کرتے۔ پھر حاجی لوگ ان سے ملاقات کرتے اور امیرِ حج ان کی شکایات رفع کر کے ان کی حاجتیں پوری کرتے۔

ان تین سالوں ۵۱ھ تا ۵۳ھ کے دوران بہت سے صحابہ رسولؐ اکابرین ملک مجاہدین عظام اور مملکتِ اسلامیہ کے لاکھوں مسلمانوں نے ہر سال یزید کی امارت میں مناسکِ حج ادا کیئے۔ ان کے خطبات سنے۔ ان کے پیچھے پانچوں وقت نمازیں ادا کیں اور ان کی معیت میں روضۂ رسولؐ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔

دار الیزید

امیر یزید کو مدینہ کی ارضِ پاک سے اتنی محبت تھی کہ وہیں اپنا ایک مکان دار الیزید تعمیر کرایا اور ۵۳ھ میں آخری حج کے موقع پر مدینہ کے قریشی گھرانوں کی دو خواتین کو اپنے حبالۂ نکاح مین لائے۔ ان میں سے ایک تو ام محمد بنت عبداللہ بن جعفر طیار تھیں اور دوسری ام مسکین بنت عاصم بن عمر فاروق تھیں۔

یزید بطور ولی عہد

یہ بات یادرکھنے کے قابل ہے کہ یزید کی ولی عہدی کا خیال نہ حضرت معاویہؓ کے ذہن میں تھا اور نہ خود یزید اس کا خواہاں تھا بلکہ اس امر کا خیال سب سے پہلے گورنر کوفہ اور مدبر صحابی رسولؐ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کے ذہن میں آیا جب کہ ۵۱ھ میں یزید جہاد قسطنطنیہ سے واپس آیا تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ وہ دمشق گئے اور دوران گفتگو خلیفہ کی خدمت میں یہ تحریک پیش کی کہ

امیر المؤمنین !

اکابر صحابہؓ اعیان قریش اور عمر رسیدہ اصحاب دنیا سے رخصت ہو گئے۔ ان کی اولاد باقی ہے۔ میں نے حضرت عثمانؓ کے بعد امت میں جو اختلاف اور خون ریزی اپنی انکھوں سے دیکھی ہے اس کے پیشِ نظر میں یہ کہوں گا کہ آپ اپنے لائق فرزند یزید کو ولی عہد مقرر کر کے عام بیعت لے لیں تا کہ بعد میں فتنہ وفساد اور ہلاکت کا ظہور نہ ہو۔

آپ رائے وتدبیریں اور سنت وسیاست سے آگاہی میں افضل واحسن ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ آپ کو اس کی ولی عہدی کی بیعت لینے سے کیا چیز روک رہی ہے؟

حضرت معاویہؓ کے دورِ خلافت میں یزید کی جنگی اور انتظامی امور کی اہلیت و قابلیت سب کے نزدیک مسلم تھی۔ لیکن اس مسئلہ میں پیچیدگی اس خیال سے پیدا ہو رہی تھی کہ کہیں خلافت کو باپ سے بیٹے کی طرف منتقل کرنے کا رواج نہ ہو جائے۔ اور جو کام امت کی مصلحت کے تحت کیا جارہا تھا وہ اصول نہ بن جائے۔

اس لئے حضرت معاویہؓ جیسے خیر خواہانِ ملت یہ گوارہ نہیں کر سکتے تھے کہ اس بار

ہیں پوری امت سے استصواب رائے نہ کریں۔ چنانچہ اس تحریک پر غور کرنے کے لئے آپ نے یہ شرط رکھی کہ تمام شہروں اور صوبوں کے نمائندے جمع ہوں اور بحث کر کے اپنا متفقہ فیصلہ دیں۔ چنانچہ یہ اجتماع ہوا جس میں ہر خیال کی نمائندگی تھی۔ ساری مملکت میں صرف بصرہ اور کوفہ ہی دو ایسے صوبے تھے جہاں باشندے باغی طبیعت کے اور فتنہ پرور تھے اور جہاں اکثر شورشیں پھیلتی رہتی تھیں۔

۱ حضرت معاویہؓ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ کو کہا کہ کوفہ جا کر لوگوں کو اپنا ہم خیال بناؤ۔ چنانچہ حضرت مغیرہؓ نے کوفہ جا کر دس پندرہ سرکردہ لوگوں کا ایک وفد عراق سے دمشق بھیجا تا کہ خلیفہ سے یزید کو اپنا جانشین بنانے کی درخواست کریں۔ چنانچہ اس وفد نے حضرت معاویہؓ کو یقین دلایا کہ ہماری اور اہل کوفہ کی رائے ہے کہ یزید آپ کا جانشین ہو اس سے حضرت معاویہؓ کا عزم پختہ ہو گیا اور انہوں نے اس امر کے متعلق تمام صوبوں میں گشتی مراسلہ جاری کر دیا۔

۲ اسی دوران میں بصرہ سے ایک وفد احنف بن قیس کی سرکردگی میں دمشق پہنچا۔ تو حضرت معاویہؓ نے انہیں بلا کر کے حاضرین مجلس کے روبرو یزید کی فوجی وانتظامی اہلیت اور علمی فضائل بیان کئے۔ پھر چند شامی معززین نے بھی اس کی حمایت میں تقریریں کیں۔

عراق کے علاوہ مملکت اسلامیہ کے تمام صوبوں. فارس ' خراسان ' جزیرہ ' شام ' فلسطین ' مصر ' یمن ' اردن ' ہرات ' آذربائیجان اور حجاز وغیرہ کے ہر ہر مقام سے لوگوں نے وفود بھیج کر بلا جبر واکراہ یزید کی ولی عہدی کی بیعت کی۔ اس طرح امت کی بھاری اکثریت کا فیصلہ یہی تھا کہ امیر یزید کو ولی عہد المسلمین بنایا جائے۔

۳ اس فیصلہ کن اجتماع کے باوجود حضرت معاویہؓ پوری طرح مطمئن نہ ہوئے کیونکہ

وہ مدینہ کے بعض ممتاز صحابہ کا مشورہ لینا ضروری سمجھتے تھے۔ اگرچہ حضرت علی کے مدینہ کو چھوڑ کر کوفہ کو اپنا مستقر بنانے اور اس کے بعد دمشق کو دارالخلافت کا مرتبہ حاصل ہو جانے سے اہالیان مکہ و مدینہ کا حل و عقد ہونے کا وہ امتیازی حق جاتا رہا تھا۔ جو شیخین کے عہد میں تھا۔ لیکن باجود اس کے حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ جب تک مکہ اور مدینہ کے لوگ بھی اس فیصلے پر متفق نہ ہوں گے یہ فیصلہ نافذ نہ ہوگا۔ اس لئے آپ نے مدینہ کے والی مروان بن حکم کو لکھا کہ :-

میری عمر ڈھل چکی ہے اور ہڈیاں چور ہو چکی ہیں۔ مجھے اپنے بعد اختلافِ امت کا ڈر ہے کہ کہیں میرے بعد کوئی جھگڑا اٹھ کھڑا ہو۔ اس لئے میری رائے ہے کہ لوگوں سے پوچھ لوں کہ میرے بعد جانشین کون ہو؟

امیر مروان نے اہل مدینہ کے سامنے خلیفہ کے عندیہ کا اظہار کیا۔ لوگوں نے کہا کہ امیر المومنین نے درست بات کہی ہے کہ جسے چاہیں ولی عہد نامزد کر دیں اور دیر نہ کریں۔

امیر مروان نے اس امر کی اطلاع حضرت معاویہؓ کو دمشق میں بھیج دی۔ حضرت معاویہؓ نے اسے دوسرا خط لکھا جس میں بتایا کہ :- میں اپنے بعد یزید کو اپنا ولی عہد بنانا چاہتا ہوں۔ امیر مروان نے جب یہ اعلان مدینہ میں کیا تو حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیق (متوفی ۵۳ھ) نے مخالفت کی اور فرمایا کہ :-

تمہیں اور امیر المومنین کو اُمت کی خیر خواہی منظور نہیں۔ تم خلافت کو روم کے ہرقل" کی سلطنت بنانا چاہتے ہو کہ ہرقل کے بعد دوسرا ہرقل اٹھ کھڑا ہو" حالانکہ اس سے پہلے حضرت علی کے بعد حسن خلیفہ ہوئے اور حسین خلافت کے امیدوار تھے۔ ان کے

اس خیال کے تائید عبدالرحمٰن بن عمر۔ عبداللہ بن زبیر اور حسین بن علی نے بھی کی (یہ دونوں آخری بزرگ خود خلافت کے دعویدار بنا چاہتے تھے)

۴ حضرت معاویہ چاہتے تھے کہ عالم اسلام کی اس متفقہ بیعت عامہ کے بعد مکہ اور مدینہ سے لوگ کسی طرح مخالفت نہ کریں اور مسئلہ آسانی سے حل ہو جائے۔ چنانچہ ۵۶ھ میں آپ خود مدینہ پہنچے اور ایک بھرے مجمع میں اہل مدینہ کو مخاطب کر کے فرمایا:۔

اے اہل مدینہ! میں نے جب یزید کی بیعت ولی عہدی کا ارادہ پختہ کر لیا تو کسی قریہ اور جھونپڑی کو بھی نہ چھوڑا جہاں بیعت کیلئے وفد نہ بھیجا ہو۔ چنانچہ تمامی دیار و امصار میں لوگوں نے یہ بیعت کر لی تھی۔ (الامامت والسیاست جلد ۱ ص ۱۹۸)

حضرت عائشہ صدیقہؓ کا فرمان

۵ اس کے بعد آپ نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر بیعت یزید کے بارے میں تفصیلی رپورٹ پیش کی۔ اور بتایا کہ تمام صوبوں کے لوگ جن میں صحابہ کبار صحابہ صغار اور تابعین سب شامل ہیں) متفقہ طور پر بیعت کر لی ہے۔ اس تفصیل اور اُمت کے متفقہ فیصلہ کو سن کر اُم المومنین نے اظہارِ پسندیدگی فرماتے ہوئے مشورہ دیا کہ اب اگر کوئی شخص یہاں اختلاف کرے تو تم عجلت سے کام نہ لینا۔ اور نرمی اختیار کرنا وہ انشاءاللہ آپ سے موافقت کرے گا۔

حضرت معاویہؓ نے عرض کی ام المومنین! بہت اچھا۔ میں آپ کی فرمائش کے مطابق عمل کروں گا۔

امیر المومنین کے پیش نظر تو وہ تمام حالات تھے جو کہ حضرت علی کی ناکام سیاست کے نتیجے میں اہل حجاز کا سیاسیات ملی میں وہ مقام باقی نہ رہا تھا جو پہلے تین خلفاء راشدین کے عہد میں تھا۔ علاوہ ازیں بمقتضائے زمانہ خلافت اب لاکھوں مربع میل پر پھیلی ہوئی ایک باضابطہ ریاست تھی جس کے گوناگوں مسائل اور انتظامات کا اہل مدینہ میں سے کسی کو نہ کوئی عملی تجربہ تھا نہ واقفیت ان حالات میں اور خطرہ کے پیش نظر کہ حضرت معاویہؓ کے بعد حصول خلافت میں پھر خونریزی کی نوبت نہ آجائے جس کا تلخ تجربہ امت کو ہو چکا تھا امیر المومنین نے یزید کی ولی عہدی کے بارے میں امیر المومنین حضرت معاویہؓ کی کاروائی کو پسند فرمایا

۶ اس کے بعد امیر المومنین نے چاروں قریشی حضرات (عبداللہ بن عباسؓ۔ عبداللہ بن عمرؓ۔ عبداللہ بن زبیرؓ اور حسین بن علیؓ) کو بلا بھیجا اور انہیں اکثریت کے فیصلے سے آگاہ کیا۔ اور فرمایا

۱ آپ لوگ جانتے ہیں کہ آپ کے ساتھ میری کیا روش رہی ہے؟ آپ میری قرابت داری اور رضا جوئی کے بھی واقف ہیں۔ یزید تمہارا بھائی اور عم زاد ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ خلافت اس کے نام پر ہو اور سررشتہ کار آپ کے ہاتھ میں رہے۔" یہ تقریریں سن کر عبداللہ بن زبیر نے کہا کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ۔ حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمانؓ ذی النورین کے طریق انتخاب کے خلاف کوئی اور طریقہ ہمیں منظور نہیں

یہ الفاظ سن کر آپ نے جواب دیا کہ مجھے جو کچھ آپ لوگوں سے کہنا تھا کہہ چکا۔ اب جو کچھ میں نے ارادہ کیا ہے وہ ضرور پورا ہوگا خواہ تم پسند کرو یا نہ کرو۔ کیونکہ

میں یزید کی جانشینی کی بیعت باقی ولایت سے لے چکا ہوں اور آپ کے سوا دیگر سب لوگوں نے بیعت کر لی ہے۔ کیا اب میں بیعت کی تکمیل کے بعد اسے توڑ دوں؟

ب پھر حسین بن علیؓ نے حضرت معاویہؓ سے کہا کہ میں یزید سے حسب ونسب کے لحاظ سے بہتر ہوں۔ اس لئے خلافت کا زیادہ مستحق ہوں۔ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا:

اللہ کی قسم! امت محمدیہ کے انتظامی امور میں یزید تم سے بہت بہتر ہے

(الامامت اور السیاست)

ج ازاں بعد حضرت عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس نے بطیب خاطر بیعت کر لی اور اس پر آخر دم تک مستقیم رہے۔

دراصل حضرت معاویہؓ نے یہ سفر ہی اس لئے کیا تھا کہ حج وزیارت کے موقع پر اس مسئلہ میں بھی کیسوئی حاصل کر لیں۔ چنانچہ سب لوگوں نے (جن میں امہات المومنین۔ بدری۔ رضوانی اور دیگر اصحاب رسول۔ حدیث شریف کی راوی۔ ممتاز لیڈر اور عوام شامل تھے) اس فیصلے کا خیر مقدم کیا اور امت کی فلاح و بہبود اور مصلحتوں کے تحت اس کی منظوری دے دی۔

بعض کذابین نے

یزید کی ولی عہدی کے سلسلہ میں یہ فضا پیدا کی گویا اس وفد میں رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں صرف یہ تین چار بزرگ ہی ذی وقار اور با حیثیت تھے۔ ان کے علاوہ پوری امت عوام الناس پر مشتمل تھی۔ حالانکہ اس زمانے میں سینکڑوں کی تعداد میں اور بھی بلند پایہ اور ممتاز ترین ہستیاں اور دیگر معمر اصحابِ رسول کی خاصی تعداد موجود تھی۔ جنہوں نے اس ولی عہدی کو پسند فرمایا تھا۔

اس وقت زندہ اصحابِ رسول ﷺ کی فہرست

اب ذیل میں ان اُمہات المومنین اور اصحابِ بیعت عقبہ، اصحابِ بدر، اصحابِ بیعت رضوان کی فہرست مع سن وفات درج ہے۔ جو یزید کی ولی عہدی بلکہ خلافت کے زمانے کے بعد تک بھی زندہ تھے اور انہوں نے یزید کی ولی عہدی پر اتفاق کیا تھا۔

۱۔ امہات المومنین ازواج رسول ﷺ

۱۔	ام المومنین حضرت حفصہؓ	متوفیہ ۵۴ھ (بزمانہ عہدی یزید)
۲۔	ام المومنین حضرت جویریہؓ	متوفیہ ۵۶ھ (بزمانہ عہدی یزید)
۳۔	ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ	متوفیہ ۵۰ھ (بزمانہ عہدی یزید)
۴۔	ام المومنین سلمہؓ	متوفیہ ۵۱ھ (بزمانہ عہدی یزید)
5۔	ام المومنین میمونہؓ	متوفیہ ۶۱ھ (بزمانہ عہدی یزید)

۲۔ بدری اصحاب رسول ﷺ

۱۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ (رسول اللہ ﷺ کے ماموں) فاتح ایران متوفی ۵۹ھ

۲۔ حضرت سعید بن زیدؓ (بہنوئی حضرت عمر فاروقؓ) متوفی ۵۱ھ

۳۔ حضرت ابوایوب خالد بن زید انصاریؓ (میزبانِ رسولؐ) جہاد قسطنطنیہ میں شریک متوفی ۵۰ھ

۴۔ ابواسید مالک بن ربیعہ انصاریؓ متوفی ۶۰ھ

۵۔ ابو بردہ ہانی الحارثیؓ متوفی ۵۳ھ

۶۔ ابوعبداللہ انصانی السلمیؓ متوفی ۶۱ھ

۷۔ ابولہانہ انصافیؓ متوفی ۵۰ھ

۸۔ ابوغلہ بن معاذ بن زرارہ انصاریؓ متوفی ۵۰ھ

۹۔ ارقم بن الارقم بن عبدالمناف بن اسد مخزومیؓ متوفی ۵۵ھ

۱۰۔ جابر بن عبداللہ بن عمرو انصاریؓ متوفی ۶۵ھ

۱۱۔ حارثہ بن النعمان بن نفیع انصاریؓ متوفی ۵۲ھ

۱۲۔ ربیعہ بن کعب بن مالک ابوفراس اسلمیؓ متوفی ۶۳ھ

۱۳۔ زید بن سہل ابوطلحہ انصاریؓ متوفی ۵۲ھ

۱۴۔ سائب بن خلاء ابوسہلہ انصاری خزرجیؓ متوفی ۷۱ھ

۱۵۔ شداد بن اوس بن ثابت انصاریؓ متوفی ۶۴ھ

۱۶۔ عتبان بن مالک بن عمرو انصاریؓ متوفی ۵۱ھ

۱۷۔	عمرو بن اسیہ الضمری ؓ	متوفی ۶۰ھ
۱۸۔	عمرو بن عوف ؓ	متوفی ۵۶ھ
۱۹۔	کعب بن عمرو ابوالیسیر انصاری ؓ	متوفی ۵۵ھ
۲۰۔	نعیمان بن عمرو بن رفاعہ ؓ	متوفی ۵۴ھ

۳۔ اصحابِ بیعت رضوان

۱۔ ابو ثعلبہ بن جرہم ؓ — متوفی ۷۵ھ
۲۔ ابو زمعہ البلوی ؓ — متوفی ۶۴ھ
۳۔ ابو الصبین الجہنی ؓ — متوفی ۶۴ھ
۴۔ ثابت بن ضحاک انصاری ؓ — متوفی ۶۴ھ
۵۔ سلمہ بن عمرو بن الاکوع بن سنان انصاری ؓ — متوفی ۷۴ھ
۶۔ ثعلبہ بن دہر البلوی ؓ — متوفی ۵۳ھ
۷۔ عبداللہ بن ابی حدرد اسلمی ؓ — متوفی ۷۰ھ
۸۔ عبداللہ بن عمر فاروق ؓ — متوفی ۷۴ھ
۹۔ عبداللہ بن مغفل المزنی ؓ — متوفی ۶۱ھ
۱۰۔ عبداللہ بن یزید بن حسین انصاری ؓ — متوفی ۵۶ھ
۱۱۔ علقمہ بن خالد ابو عبداللہ ؓ — متوفی ۸۰ھ
۱۲۔ عمرو بن الاخطب انصاری ؓ — متوفی ۷۰ھ
۱۳۔ فضالہ بن عبید انصاری ؓ — متوفی ۶۹ھ
۱۴۔ مغیرہ بن شعبہ بن عامر بن مسعود ؓ — متوفی ۵۱ھ
۱۵۔ عبداللہ بن ابی اوفی ؓ — متوفی ۸۷ھ
۱۶۔ عائذ بن عمرو بن ہلال المزنی ؓ — متوفی ۶۱ھ
۱۷۔ ایہان بن اوس اسلمی ؓ — متوفی

۴۔ دیگر صحابہ کرامؓ

۱۔	ابوارویٰ الدوسی حجازیؓ	متوفی ۵۹ھ
۲۔	ابوامامہ الباہلی صدی بن عجلانؓ	متوفی ۷۰ھ
۳۔	ابو برزۃ الاسلمی فضا بن عبداللہؓ	متوفی ۶۴ھ
۴۔	ابوبشیر انصاریؓ	متوفی ۶۵ھ
۵۔	ابوبکرہ ثقفیؓ	متوفی ۵۲ھ
۶۔	ابوجہم بن حذیفہ القرشیؓ	متوفی ۶۷ھ
۷۔	ابوحدو اسلمی سلامہ بن عمیرؓ	متوفی ۵۹ھ
۸۔	ابوحثمہ انصاریؓ	متوفی ۵۹ھ
۹۔	ابوسعید انصاریؓ	متوفی ۷۱ھ
۱۰۔	ابوسعید بن المصلیؓ	متوفی ـــھ
۱۱۔	ابوسعید المقبریؓ	متوفی ۷۴ھ
۱۲۔	ابوسنان العبدیؓ	متوفی ۶۱ھ
۱۳۔	ابوشیبہ الخذریؓ	متوفی ۴۹ھ
۱۴۔	ابوعامر اشعریؓ	متوفی ۷۱ھ
۱۵۔	ابوالعالیہ الریاحیؓ	متوفی ۹۰ھ
۱۶۔	ابوعقبہ الخولانیؓ	متوفی ۱۰۰ھ
۱۷۔	ابوالعمال بن ابی عتبہؓ	متوفی ۵۰ھ

۱۸۔ ابو عیاش الزرقی رضی اللہ عنہ — متوفی ۵۱ھ

۱۹۔ ابو لضادیہ الجہنی رضی اللہ عنہ — متوفی ۷۵ھ

۲۰۔ ابو فراس الاسلمی رضی اللہ عنہ — متوفی ۶۴ھ

۲۱۔ ابو قتادہ بن ربعی انصاری رضی اللہ عنہ — متوفی ۵۴ھ

۲۲۔ ابو قیس الجہنی رضی اللہ عنہ — متوفی ۵۹ھ

۲۳۔ ابو کاہل الاحمسی رضی اللہ عنہ — متوفی ۷۵ھ

۲۴۔ ابو لیلیٰ النابغہ الجعدی رضی اللہ عنہ — متوفی ۶۸ھ

۲۵۔ ابو محذورہ القرشی رضی اللہ عنہ — متوفی ۵۹ھ

۲۶۔ ابو ہریرہ الاوسی عمرو بن عامر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ — متوفی ۵۹ھ

۲۷۔ ادہم بن محزر الباہلی ابو مالک رضی اللہ عنہ — متوفی ۷۶ھ

۲۸۔ ارطاۃ بن زفر المزنی رضی اللہ عنہ — متوفی ۷۴ھ

۲۹۔ اسامہ بن زید بن حارثہ الکلبی رضی اللہ عنہ — متوفی ۵۹ھ

۳۰۔ اسماء بن خارجہ بن حصین رضی اللہ عنہ — متوفی ۶۵ھ

۳۱۔ اسلم مولیٰ عمر فاروق رضی اللہ عنہ — متوفی ۵۸ھ

۳۲۔ الاسود بن ہلال المحاربی رضی اللہ عنہ — متوفی ۸۴ھ

۳۳۔ الاسود بن یزید قیس رضی اللہ عنہ — متوفی ۷۴ھ

۳۴۔ اسید بن احیحہ بن امیہ القرشی رضی اللہ عنہ — متوفی ۵۸ھ

۳۵۔ اسید بن ظہیر بن رافع انصاری الحارثی رضی اللہ عنہ — متوفی

۳۶۔ امیر بن عمرو الکندی رضی اللہ عنہ — متوفی ۶۴ھ

۳۷۔ انس بن مالک الکعبی ؓ — متوفی ٦٠ھ

۳۸۔ انس بن مالک انصاری خزرجی ؓ — متوفی ٨٦ھ

۳۹۔ اوس بن حذیفہ ثقفی ؓ — متوفی ٥٩ھ

۴۰۔ اوس بن ضمعج حضری ؓ — متوفی ٧٣ھ

۴۱۔ اہبان بن صیفی غفاری ؓ — متوفی ٥٩ھ

۴۲۔ براء بن غازب بن الحارث انصاری ؓ — متوفی ٧٢ھ

۴۳۔ بریدہ بن الحصیب الاسلمی ؓ — متوفی ٦٣ھ

۴۴۔ بشر بن ارطاۃ القرشی العامری ؓ — متوفی ٦٦ھ

۴۵۔ بشر بن عاصم بن سفیان الثقفی ؓ — متوفی ٦٧ھ

۴۶۔ بشر بن عامر بن مالک بن جعفر ؓ — متوفی ٥٩ھ

۴۷۔ بشیر بن عمرو ؓ (دیدارِ رسول سے مشرف ہوئے) — متوفی ٨٥ھ

۴۸۔ بشیر بن عبید بن اوس انصاری ؓ — یوم حرہ میں شہید ہوئے

۴۹۔ بلال بن الحارث ابو عبد الرحمٰن ؓ — متوفی ٦٠ھ

۵۰۔ ثعلبہ بن الحکم اللیثی ؓ — متوفی ٧٦ھ

۵۱۔ ثوبان بن مجد ؓ جنگی قیدی بند کرآئے آزاد ہوئے — متوفی ٥٤ھ

۵۲۔ جابر بن سمرہ بن جنادہ العامری ؓ — متوفی ھ

۵۳۔ جابر بن عبد اللہ انصاری ؓ — متوفی ھ

۵۴۔ جابر بن عبد اللہ قبطی ؓ — متوفی ھ

۵۵۔ جبیر بن مطعم بن عدی القرشی ؓ — متوفی ٥٩ھ

۵۶۔ جبیر بن نفیر مالک الحضرمی شامیؓ — متوفی ۸۰ھ

۵۷۔ جرید بن خویلد مدنیؓ — متوفی ۶۳ھ

۵۸۔ جریر بن عبداللہ الجبلیؓ — متوفی ۵۴ھ

۵۹۔ جعفر بن ابی سفیان بن الحارث بن عبدالمطلبؓ — متوفی ۵۱ھ

۶۰۔ جنادہ بن ابی امیۃ الازدی شامیؓ — متوفی ۶۷ھ

۶۱۔ جنادہ بن امیہ بن مالک الدوسیؓ — متوفی ۷۰ھ

۶۲۔ جندب بن عبداللہ بن سفیان الجبلیؓ — متوفی ۶۹ھ

۶۳۔ زراہ بن جزء بن عمرو الکلابیؓ — متوفی ۷۴ھ

۶۴۔ حارث بن اوس بن المعلی انصاریؓ — متوفی ۸۴ھ

۶۵۔ حارث بن سوید التمیمیؓ — متوفی ۷۲ھ

۶۶۔ حارث بن عمرو بن غزیہ مزنیؓ — متوفی ۷۰ھ

۶۷۔ حارث بن عوف بن اسیدؓ — متوفی ۶۶ھ

۶۸۔ حارث بن نفیع بن معلیٰ انصاریؓ — متوفی ۶۴ھ

۶۹۔ حارث بن بدر بن حصین التمیمیؓ — متوفی ۶۵ھ

۷۰۔ حسان بن ثابت انصاریؓ (شاعرِ رسولؐ) — متوفی ۵۴ھ

۷۱۔ حسین بن الحرؓ — متوفی ۶۷ھ

۷۲۔ حسین بن نمیر اسکونی الکندیؓ — متوفی ۷۲ھ

۷۳۔ الحکم بن عمرو بن مجدع غفاریؓ عامل خراسان — متوفی ۵۱ھ

۷۴۔ الحکم بن حزام بن خویلد اسدیؓ — متوفی ۵۴ھ

۷۵۔ حمزہ بن عمرو الاسلمی ؓ	متوفی ۶۱ھ
۷۶۔ حویطب بن عبدالعزی العامری ؓ	متوفی ۵۴ھ
۷۷۔ حیدہ بن معاویہ القشیری ؓ	متوفی ۶۵ھ
۷۸۔ خویلد بن عمرو کعبی الخزاعی ؓ (علمبردار فتح مکہ)	متوفی ۶۸ھ
۷۹۔ خرشہ بن الحرا ضراری ؓ	متوفی ۶۶ھ
۸۰۔ خنابہ بن کعب العبسی دمشقی ؓ	متوفی ۶۷ھ
۸۱۔ دحیہ بن خلیفہ الکلبی ؓ	متوفی ۶۸ھ
۸۲۔ نافع بن خدیج ابو عبداللہ حارثی ؓ	متوفی ۶۹ھ
۸۳۔ الربیع بن زیادہ الحارثی عامل خراسان ؓ	متوفی ۵۳ھ
۸۴۔ رویفع بن ثابت انصاری حاکم طرابلس ؓ	متوفی ۵۶ھ
۸۵۔ زمل بن عمرو العذری ؓ (علمبردار صفین)	متوفی ۶۴ھ
۸۶۔ زبیر بن قیس البلوی ؓ	متوفی ۷۶ھ
۸۷۔ زید بن ارقم انصاری خزرجی کوفی ؓ	متوفی ۶۸ھ
۸۸۔ زید بن خالد الجہنی ؓ (علمبردار فتح مکہ)	متوفی ۶۸ھ
۸۹۔ سائب بن ابی وداعہ الحارث القرشی ؓ	متوفی ۵۷ھ
۹۰۔ سائب بن جناب مدنی ابو عبدالرحمٰن ؓ	متوفی ۵۷ھ
۹۱۔ سائب بن یزید الکندی ؓ	متوفی ۸۰ھ
۹۲۔ سعد بن ایاس ابو عمرو الشیبانی ؓ	متوفی ۹۵ھ
۹۳۔ سعد بن زید انصاری ؓ	متوفی ۷۹ھ

۹۴۔	سعد بن مالک بن سنان انصاری الخذری ؓ	متوفی ۷۴ھ
۹۵۔	سعید بن العاص بن سعید ابی احیمہ بن العاص اموی ؓ	متوفی ۵۹ھ
۹۶۔	سعید بن نمران الہمدانی جرجانی ؓ	متوفی ۷۰ھ
۹۷۔	سعید بن وہب الجیوانی ؓ	متوفی ۹۸ھ
۹۸۔	سعید بن یربوع مخذومی الصرام ؓ	متوفی ۵۴ھ
۹۹۔	سفیان بن عوف الاسلمی انصاری ؓ	متوفی ۵۳ھ
۱۰۰۔	سفینہ مولیٰ رسول اللہ آزاد کردہ حضرۃ ام سلمہ ؓ	متوفی ۷۰ھ
۱۰۱۔	سلمہ بن ابی سلمہ مخذومی ؓ	متوفی ۷۹ھ
۱۰۲۔	سمرہ بن جنادہ عمرو بن جند ؓ	متوفی ۸۰ھ
۱۰۳۔	سمرہ بن جندب بن ہلال الفزاری ؓ	متوفی ۵۸ھ
۱۰۴۔	سنان بن سلمہ ؓ	متوفی ۸۰ھ
۱۰۵۔	سندر بن ابوالاسود ؓ	متوفی ۷۷ھ
۱۰۶۔	سنین بن واقد الظفری ؓ	متوفی ۶۱ھ
۱۰۷۔	سہیل بن ابی حثمہ انصاری اوسی ؓ	متوفی ۵۱ھ
۱۰۸۔	سہل بن حنیف انصاری ابوامامہ ؓ	متوفی ۱۰۰ھ
۱۰۹۔	سہل بن سعد بن مالک الساعدی ؓ	متوفی ۹۱ھ
۱۱۰۔	شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ الحجبی ؓ	متوفی ۶۱ھ
۱۱۱۔	صعصعہ بن ناجیہ الداری ؓ	متوفی ۵۳ھ
۱۱۲۔	صفوان بن المعقل السلمی ؓ	متوفی ۶۳ھ

۱۱۳۔ ضحاک بن قیس الفہری رضی اللہ عنہ (عامل دمشق) متوفی ۶۴ھ

۱۱۴۔ طارق بن شہاب البجلی عمسی رضی اللہ عنہ متوفی ۸۳ھ

۱۱۵۔ عامر بن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۶۴ھ

۱۱۶۔ عامر بن واثلہ لیثی ابوالطفیل رضی اللہ عنہ متوفی ۱۰۰ھ

۱۱۷۔ عابنہ بن عمرو مزنی ابوہریرہ بصری رضی اللہ عنہ متوفی ۶۵ھ

۱۱۸۔ عبداللہ بن ابی حدد السلمی رضی اللہ عنہ متوفی ۷۱ھ

۱۱۹۔ عبداللہ بن انیس اجہنی ابویحییٰ مدنی رضی اللہ عنہ متوفی ۵۴ھ

۱۲۰۔ عبداللہ بن بسر المازنی رضی اللہ عنہ متوفی ۹۶ھ

۱۲۱۔ عبداللہ بن ثعلبہ الزری رضی اللہ عنہ متوفی ۸۹ھ

۱۲۲۔ عبداللہ بن جزء بن انس بن عباس السلمی رضی اللہ عنہ متوفی ۶۰ھ

۱۲۳۔ عبداللہ بن جعفر طیار بن ابی طالب ہاشمی رضی اللہ عنہ متوفی ۸۷ھ

۱۲۴۔ عبداللہ بن حارث بیدی مصری رضی اللہ عنہ متوفی ۸۶ھ

۱۲۵۔ عبداللہ بن الحارث بن نوفل رضی اللہ عنہ متوفی ۶۸ھ

۱۲۶۔ عبداللہ بن حازم اسمی ابوصالح رضی اللہ عنہ (نیشاپوری) متوفی ۷۳ھ

۱۲۷۔ عبداللہ بن حوالہ الارونی شامی رضی اللہ عنہ متوفی ۸۰ھ

۱۲۸۔ عبداللہ بن خالد بن اسید الاموی رضی اللہ عنہ متوفی ۶۳ھ

۱۲۹۔ یسار بن بلال ابی لیلی رضی اللہ عنہ متوفی ۵۹ھ

۱۳۰۔ یسیر بن النصری رضی اللہ عنہ متوفی ۵۷ھ

۱۳۱۔ عبداللہ بن زمعہ القرشی الاسدی رضی اللہ عنہ متوفی ۶۷ھ

۱۳۲۔	عبداللہ بن زید بن عاصم انصاری ؓ	متوفی ۶۳ھ
۱۳۳۔	عبداللہ بن سائب المخزومی ؓ	متوفی ۷۱ھ
۱۳۴۔	عبداللہ بن سعد بن ابی شرح القرشی محاصری ؓ	متوفی ۵۹ھ
۱۳۵۔	عبداللہ بن سعدۃ الفزارمی ؓ	متوفی ۶۵ھ
۱۳۶۔	عبداللہ بن سعد انصاری ؓ	متوفی ۷۴ھ
۱۳۷۔	عبداللہ بن السعدی القرشی العامری ؓ	متوفی ۵۷ھ
۱۳۸۔	عبداللہ بن سندر الجذامی ؓ	متوفی ۶۷ھ
۱۳۹۔	عبداللہ بن شداء بن الہاء اللیثی ؓ	متوفی ۸۱ھ
۱۴۰۔	عبداللہ بن عامر کربزاسوی ؓ	متوفی ۶۰ھ
۱۴۱۔	عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب ہاشمی ؓ	متوفی ۶۷ھ
۱۴۲۔	عبداللہ بن مصام الاشعری ؓ	متوفی ۶۸ھ
۱۴۳۔	عبداللہ بن علقمہ ابی ادنی ؓ	متوفی ۸۷ھ
۱۴۴۔	عبداللہ بن عمرو بن العاص قریشی ؓ	متوفی ۶۹ھ
۱۴۵۔	عبداللہ بن فتم الاشعری شامی ؓ	متوفی ۶۷ھ
۱۴۶۔	عبداللہ بن قیس ابوموسیٰ الاشعری ؓ (گورنر کوفہ)	متوفی ۵۳ھ
۱۴۷۔	عبداللہ بن کعب انصاری ابوفضالہ ؓ	متوفی ۹۰ھ
۱۴۸۔	عبداللہ بن مالک لامووی ؓ	متوفی
۱۴۹۔	عبداللہ بن معفل انصاری ؓ	متوفی ۷۰ھ
۱۵۰۔	عبداللہ بن نوفل بن الحارث بن عبدالمطلب ہاشمی ؓ	متوفی ۶۶ھ

۱۵۱۔ عبداللہ بن یزید الدوسی ؓ متوفی ۶۸ھ

۱۵۲۔ عبدالرحمٰن بن ابی سبرہ الجعفی ؓ متوفی ۸۷ھ

۱۵۳۔ عبدالرحمٰن بن حاطب بن ابی طبقہ اللخمی ؓ متوفی ۶۸ھ

۱۵۴۔ عبدالرحمٰن بن زید الخطاب العدوی ؓ (عامل مکہ) متوفی ۶۶ھ

۱۵۵۔ عبدالرحمٰن بن سمرہ بن حبیب بن عبد شمس ؓ متوفی ۵۳ھ

۱۵۶۔ عبدالرحمٰن بن مل ابوعثمان اضھدی ؓ متوفی ۶۵ھ

۱۵۷۔ عبدالمطلب بن ربیعہ بن الحارث بن عبدالمطلب ؓ متوفی ۶۰ھ

۱۵۸۔ عبیداللہ بن العباس بن عبدالمطلب ہاشمی ؓ متوفی ۶۳ھ

۱۵۹۔ عبیداللہ بن عدی بن الخیار بن عدی بن نوفل القرشی ؓ متوفی ۸۴ھ

۱۶۰۔ عبید بن عمیر بن قتادہ الیثی ابوعام الکی ؓ متوفی ۷۴ھ

۱۶۱۔ عتبہ بن عبدالسلمی ؓ (حمص شام) متوفی ۸۰ھ

۱۶۲۔ عثمان بن ابی العاص الثقفی ابوعبداللہ الطائی ؓ متوفی ۵۵ھ

۱۶۳۔ عثمان بن عبیداللہ الیتمی برادر حضرت طلحہ ؓ متوفی ۷۴ھ

۱۶۴۔ العتدا بن خالد بن ہوذۃ العامری ؓ متوفی ۱۰۲ھ

۱۶۵۔ عدی بن حاتم الطائی ؓ متوفی ۶۸ھ

۱۶۶۔ العرباص بن ساریہ السلمی ؓ متوفی ۷۵ھ

۱۶۷۔ عطیہ بن سبر المارنی ؓ متوفی ۷۵ھ

۱۶۸۔ عفان بن وہب الخولانی ابوایمن مصری ؓ متوفی ۸۴ھ

۱۶۹۔ عقبہ بن عامر الجہنی ؓ (شامی) متوفی ۶۳ھ

۱۷۰۔	عقبہ بن نافع الفہری ربانی ؓ (قیروان شہر)	متوفی ۶۳ھ
۱۷۱۔	عقیل بن ابی طالب ہاشمی ؓ (برادر اکبر حضرت علیؓ ابو یزید)	متوفی ۶۰ھ
۱۷۲۔	حلقمہ بن جنادہ الازوی ؓ (اموی امرے البحر)	متوفی ۵۹ھ
۱۷۳۔	حلقمہ بن خالد الجزاعی ؓ	متوفی ۸۷ھ
۱۷۴۔	حلقمہ بن وقاص الیثی ؓ	متوفی ۷۸ھ
۱۷۵۔	عکراش بن ذوئب بن نزال بن مرہ ؓ	متوفی ۷۷ھ
۱۷۶۔	عمر بن ابی سلمہ مخذومی ؓ	متوفی ۷۶ھ
۱۷۷۔	عمر بن اخطب انصاری ابو یزید ؓ	متوفی ۶۲ھ
۱۷۸۔	عمران بن حصین الجزاعی ابونجیبہ ؓ	متوفی ۵۳ھ
۱۷۹۔	عمران بن ملحان ابو جالعطاروی ؓ	متوفی ۷۹ھ
۱۸۰۔	عمرو بن ابی اراکہ الثقفی ؓ	متوفی ۶۰ھ
۱۸۱۔	عمرو بن حریث القرشی المخذومی ابو سعید ؓ	متوفی ۸۵ھ
۱۸۲۔	عمرو بن حزم بن زید انصاری ؓ	متوفی ۶۴ھ
۱۸۳۔	عمرو بن سفیان البکائی ؓ	متوفی ۶۴ھ
۱۸۴۔	عمرو بن سفیان بن عبد شمس ابو الاعور اسلمی ؓ	متوفی ۷۵ھ
۱۸۵۔	عمرو بن عوف المزنی ؓ (مدنی)	متوفی ۵۹ھ
۱۸۶۔	عمرو بن غیلان الثقفی ؓ	متوفی ۶۳ھ
۱۸۷۔	عمرو بن مرۃ بن عبس ؓ	متوفی ۷۶ھ
۱۸۸۔	عمرہ بن میمون الازدی ؓ	متوفی ۷۵ھ

۱۸۹۔ عوف بن مالک اشجعی ابو عمرو رضی اللہ عنہ — متوفی ۷۳ھ

۱۹۰۔ قبیصہ بن ذوئب الجزاعی رضی اللہ عنہ — متوفی ۸۸ھ

۱۹۱۔ قثم بن عباس بن عبدالمطلب ہاشمی رضی اللہ عنہ (عامل مدینہ) — متوفی ۵۵ھ

۱۹۲۔ قیس بن ثور السولی رضی اللہ عنہ (دمشق) — متوفی ۶۴ھ

۱۹۳۔ قیس بن سعد بن عبادہ انصاری رضی اللہ عنہ — متوفی ۶۰ھ

۱۹۴۔ قیس بن خرشہ القیسی رضی اللہ عنہ (کوفہ) — متوفی ۶۱ھ

۱۹۵۔ قیس بن بایعہ الخولانی رضی اللہ عنہ — متوفی ۵۸ھ

۱۹۶۔ کعب بن عجرۃ انصاری ابو محمد رضی اللہ عنہ — متوفی ۵۴ھ

۱۹۷۔ کعب بن مالک السلمی رضی اللہ عنہ (حضرت عثمان کے مرثیہ گو) — متوفی ۵۶ھ

۱۹۸۔ کعب بن مرہ السلمی رضی اللہ عنہ (اردن) — متوفی ۵۷ھ

۱۹۹۔ اللجلاج العامری رضی اللہ عنہ — متوفی ۶۷ھ

۲۰۰۔ مالک بن اوس النفری رضی اللہ عنہ — متوفی ۵۲ھ

۲۰۱۔ مالک بن الجویرث اللیثی رضی اللہ عنہ (بصری) — متوفی ۹۴ھ

۲۰۲۔ مالک بن عبداللہ بن سنان الخثعمی رضی اللہ عنہ — متوفی ۶۵ھ

۲۰۳۔ مالک بن ہبیرہ بن خالد الکندی رضی اللہ عنہ — متوفی ۶۴ھ

۲۰۴۔ مجمع بن حمادیہ بن عامر انصاری رضی اللہ عنہ — متوفی ۵۹ھ

۲۰۵۔ محجان بن الاورع اسلمی رضی اللہ عنہ (بصری) — متوفی ۵۹ھ

۲۰۶۔ کہ بن الخطاب القرشی الجمعی رضی اللہ عنہ — متوفی ۶۰ھ

۲۰۷۔ محمود بن الربیع انصاری الاشہلی رضی اللہ عنہ — متوفی ۹۶ھ

۲۰۸۔	محمود بن لبید بن رافع انصاری الاشہلی رضی اللہ عنہ	متوفی ۹۶ھ
۲۰۹۔	مروان بن الحکم الاموی رضی اللہ عنہ	متوفی ۶۵ھ
۲۱۰۔	مسلم بن مخلد انصاری رضی اللہ عنہ (عامل افریقہ)	متوفی ۶۳ھ
۲۱۱۔	مسلم رضی اللہ عنہ	متوفی ۶۳ھ
۲۱۲۔	مسور بن محزمہ بن نوفل القرشی الازہری رضی اللہ عنہ	متوفی ۶۴ھ
۲۱۳۔	معاویہ بن خدیج بن جفنہ بن قیترہ انصاری رضی اللہ عنہ	متوفی ۶۳ھ
۲۱۴۔	معاویہ بن الحکم السلمی کوفی رضی اللہ عنہ	متوفی ۱۰۰ھ
۲۱۵۔	معبہ بن خالد الجہنی ابوزرعہ رضی اللہ عنہ	متوفی ۷۲ھ
۲۱۶۔	معبد بن سیہ بوع مخدومی رضی اللہ عنہ	متوفی ۶۱ھ
۲۱۷۔	معقس بن سنان اشجعی ابویزید رضی اللہ عنہ	متوفی ۶۳ھ
۲۱۸۔	معقل بن یسار امزنی رضی اللہ عنہ	متوفی ۶۴ھ
۲۱۹۔	معن بن یزید السلمی رضی اللہ عنہ	متوفی ۷۴ھ
۲۲۰۔	مقدام بن سعدی کرب الکندی ابوکریمہ رضی اللہ عنہ	متوفی ۸۷ھ
۲۲۱۔	مولہ بن کثیف بن حمل الضابی رضی اللہ عنہ	متوفی ۶۳ھ
۲۲۲۔	ضحان بن بشیر انصاری رضی اللہ عنہ (والی کوفہ)	متوفی ۶۷ھ
۲۲۳۔	نوفل بن معاویہ الایلی رضی اللہ عنہ	متوفی ۶۴ھ
۲۲۴۔	واثلہ بن الاسقع کنانی اللیثی رضی اللہ عنہ	متوفی ۸۵ھ
۲۲۵۔	الولید بن عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ	متوفی ۸۱ھ
۲۲۶۔	ابولید بن عقبہ بن ابی میط القرشی الاموی رضی اللہ عنہ	متوفی ۶۳ھ

۲۲۷۔ وہب بن عبداللہ ابو محیفہ العامری رضی اللہ عنہ — متوفی ۶۴ھ

۲۲۸۔ بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ (بصری) — متوفی ۶۰ھ

۲۲۹۔ یزید بن الاسود الجرشی السکونی رضی اللہ عنہ — متوفی ۵۷ھ

۲۳۰۔ یزید بن شجرہ الرہاوی رضی اللہ عنہ — متوفی ۵۸ھ

۲۳۱۔ یزید بن رکانہ بن عبد یزید بن ہاشمی القرشی رضی اللہ عنہ — متوفی ۵۹ھ

ان کے علاوہ بھی متعدد صحابہ کرامؓ ایسے تھے جو یزید کے عہد تک زندہ تھے۔ لیکن ان کے سنین وفات کتب سیر اسماء الرجال میں کہیں درج نہیں۔

ان صحابہ کرام اور امہات المومنین

کے علاوہ ۷۸ اصحابِ رسولؐ تو یزید کی ولی عہدی ۵۱ھ تا ۶۰ھ کے مختلف سنین میں شہید ہوئے یا طبعی موت وفات پا گئے۔ لیکن ام المومنین حضرت میمونہؓ اور باقی ۱۹۰ صحابہ یزید کے عہد خلافت میں سلامت تھے اور بعض تو اس کے بعد بھی زندہ رہے۔

ان تمام بزرگانِ اُمت میں سے کسی ایک نے بھی یزید کی ولی عہدی کے فیصلے پر مطلق اختلاف نہ کیا۔ بلکہ سب کے سب اس کے حامی اور ممد ہوئے۔ اور حضرت مغیرہ کی تحریک کے مطابق امیر المومنین، خلیفۃ المسلمین، امام المتقین، ہادی و مہدی حضرت معاویہؓ کے جانشین کے مسئلہ کو ملت کے مشورے اور اتفاقِ رائے سے طے کرنے کے عمل کو سراہا۔

اجماع حجت شرعی

جب کہ تمام اصحابِ رسولؐ یزید کی ولی عہدی کے جواز پر متفق تھے۔ تو امیر المومنین حضرت معاویہؓ اس معاملے میں متہم نہیں ہو سکتے۔ خواہ وہ یہ کاروائی اپنے بیٹے کے حق میں ہی کیوں نہ کریں۔

اس لئے کہ جب آپ کی خیر اندیشی اور نیک کوشی پر سب صحابہؑ رسولؐ کو آپ کی زندگی میں اعتماد تھا۔ تو آپ کی موت کے بعد تو بدرجۂ اولی اس پر کوئی الزام نہیں آنا چاہیے۔ آپ کا صحابہ کبار میں شامل ہونا۔ کاتب وحی ہونا۔ رسول اللہ کا معتمدِ خاص ہونا۔ مبلغ اسلام ہونا۔ حاکم عادل ہونا۔ امام المتقین وخلیفہ صالحین ہونا ہر قسم کی بدگمانی سے مانع ہے۔ لہٰذا کسی ایسے موقع پر جب کہ کسی ملی وملکی مصلحت کا تحفظ یا کسی فتنہ وفساد کا ازالہ اس میں مضمر ہو۔ تو امیر المومنین کی نیت پر کسی طرح کے سوءظن کی کوئی وجہ ہی نہیں اور حضرت معاویہؓ کا لوگوں کے عمومی تعاون اور اتفاق کے ساتھ ایسا کرنا اس باب میں بجائے خود ایک حجت ہے۔

پھر آپ کے اس مبنی بر فلاحِ ملت فعل کے وقت سینکڑوں صحابہ رسولؐ کا موجود ہونا اور اس پر ان کا تائید کرنا۔ یا سکوت اختیار کرنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ امر خلافت میں امیر المومنین حضرت معاویہؓ کی نیت خیر تھی۔ کیونکہ یہ صحابہؓ حق کے معاملہ میں چشم پوشی رعایت اور نرمی کے کسی طرح بھی روادار نہ تھے۔

یہ وہی صحابہ کرامؓ ہیں جنہوں نے کوفی منافقین اور سبائی مفسدین کے ہتھے چڑھ جانے کی وجہ سے حضرت علیؓ جیسے جلیل القدر صحابی کی بیعت اطاعت سے انکار کر دیا تھا۔

شرعی حجت پر اعتراض کیوں؟

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اجماعِ امت ایک شرعی حجت ہے اس سلسلے میں دو باتیں قابلِ غور ہیں۔

1. اول یہ کہ صحابہ رسول ؐ کا اجماع کبھی اور کسی صورت میں بھی غلط اور جھوٹی بات پر نہیں ہوا۔ اور نہ ہی وہ اظہارِ حق سے ڈرتے تھے۔

2. دوم یہ کہ جس چیز کو تمام مسلمان صحابہ رسولؐ کے مشورے سے باتفاق رائے تسلیم کرلیں اور اس پر راضی ہوں تو اللہ تعالیٰ بھی اس کام کو پسند فرماتا ہے۔

بقول علامہ ابن خلدون

صحابہؓ رسولؐ نے یزید کو خلیفہ نامزد کرنے میں اتفاق فرمایا اور کسی نے بھی اس فیصلے پر اعتراض نہ کیا لہٰذا خلافت یزید پر صحابہ کرامؓ کے اجماع سے شرعی حجت قائم ہے۔ اور اس پر اعتراض کرنا عقل اور دینداری کے خلاف ہے۔ ان حالات سے ثابت ہے کہ امیر یزید کا ولی عہد ہونا اور پھر خلیفہ مقرر ہونا ضروری اور لازمی امر تھا۔

اس متفقہ فیصلے کے بعد اگر کسی دوسرے کو مسند خلافت پر لایا جاتا تو قوم میں پھر ایسی خانہ جنگی برپا ہو جاتی کہ سنبھالے نہ سنبھل سکتی اور اشاعتِ اسلام وملکی فتوحات کا سلسلہ رک جاتا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ومن یشاقق الرسول من بعد ماتبین له الهدیٰ و یتبع غیر سبیل المؤمنین،،،،،،،

راہِ حق معلوم ہو جانے کے بعد جو بھی ہمارے اس رسول کی مخالفت کرے گا یعنی

اعتقاد اور عمل چھوڑ کر مسلمین کی راہ کے سوا کوئی دوسری راہ اختیار کرے گا تو ہم اس کو اسی کے اختیار کردہ راہ کے سپرد کر دیں گے اور آخر کار اس کو جہنم میں ڈالیں گے جو بری جائے باز گشت ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ

1 جب صحابہ کرام ﷺ کا اجماع حجت قائم ہوئی تو پھر ابن زبیر اور ابن علی جو سلسلہ وحی کے اختتام کے وقت ابھی کمسن بچے تھے۔ ان بزرگوں کے مقابلے میں دین حق میں حجت کیسے مانے جا سکتے ہیں؟ اور ان سینکڑوں صحابۂ کرامؓ کے مسلک کو چھوڑ کر ان دو کے عمل کو دین کیوں کر سمجھا جائے؟ جب کہ وہ حسنِ اعمال۔ ملی خدمات۔ جہادی سرگرمیوں اور مالی قربانیوں کی وجہ سے بلند مرتبہ کے مالک تھے اور رسول اللہ ؐ کی تعلیم و تربیت سے دین حق کا مظہر بن چکے تھے۔

2 جب یہ سینکڑوں اصحابِ رسولؐ، امہات المومنین، اور باقی تمام ایمان والوں نے یزید کی خلافت کو بطیب خاطر منظور فرما کر یہ ثابت کر دیا کہ یزید نیک سیرت اور صالح ہونے کے علاوہ مومنین کی قیادت سنبھالنے کی بھی صلاحیت رکھتے ہیں تو پھر تقریباً ۱۴۰۰ سال بعد میں آنے والے بداندیشوں کو اعتراض کا کیوں حوصلہ ہے۔

کیا یہ مفسد اور بد اندیش لوگ اس دور کے ملی حالات اور واقعات کو صحابہ کرام سے بھی زیادہ جانتے ہیں؟ اور کیا صحابہ کرامؓ امر خلافت میں یزید بن معاویہ کے

مقابلے میں ابن زبیر اور حسن بن علیؓ کی اہلیت وصلاحیت کی تمیز نہیں کر سکتے تھے؟

کیا صحابہ کرامؓ کے مقابلے میں ہم بہتر جج ہیں؟

صحابہ کرام کی قدسی جماعت کے ساتھ تو اللہ تعالیٰ نے وعدہ حسنہ کر رکھا ہے۔ اور وارثِ جنت ہیں۔ لہٰذا ان کی مخالفت تو کفار ومشرکین ہی کر سکتے ہیں۔

۳ حضرت معاویہؓ رسول اللہ ﷺ کے صحابی اور پرائیویٹ سیکرٹری تھے۔ کاتب وحی تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے آپ کے حسن وعمل سے خوش ہو کر آپ کو ہادی ومہدی کا خطاب دیا تھا۔ آپ سالارِ مجاہدین تھے۔ امیر المومنین۔ امام المتقین اور خلیفۃ المسلمین تھے۔ انہوں نے ۵۰ سال تک اسلام کی خدمت کی مسلمانوں کو ایک جھنڈے تلے جمع کیا۔ اسلامی نظام کو دوبارہ قائم کیا اور شوکت اسلام کو ترقی دی۔ اور سب سے زیادہ فتوحات بھی آپؓ کے دور میں ہوئیں۔ جو آج تاریخ کا حصہ ہے۔

اب جو کوئی اصحابِ رسولؐ پر اعتراض کرتا ہے وہ خدا رسول کو جھٹلاتا ہے۔ اور خود جہنم کا ایندھن بنتا ہے۔

۴ جب یزید کی ولی عہدی کی بیعت عامہ کی تکمیل مکمل ہو چکی تو امیر المومنین حضرت معاویہؓ نے ہاتھ اٹھا کر یہ دعا مانگی

"اے خداوند کریم! تو جانتا ہے اگر میں نے اس (یزید) کو اس لئے ولی عہد کیا ہے کہ وہ اس کا اہل ہے تو اس کی ولی عہدی کو پورا کرنا اور اگر میں نے اپنی محبت کی وجہ سے اسے ولی عہد کیا تو اسکی ولی عہدی کو پورا نہ کرنا"

غرضیکہ یزید کی ولایت اور اسکے بعد خلافت کا انتخاب کسی وقتی حادثہ کا نتیجہ یا کسی اندرونی اختلال کا ثمرہ نہ تھا۔ بلکہ اس کے زمانہ میں پوری امت کی رضامندی اور اجلہ صحابہ کرامؓ کی تحریک وتائید سے پورے دس سال کے عرصہ (۵۰ھ تا ۶۰ھ) میں ہوا تھا اور رضامندی صرف ملی مصلحت کے تقاضا کی بنا پر تھی یہی وجہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ کے رفقاء اور رشتہ دار عمر بھی اس کے مستقیم رہے۔ انہوں نے اس انتخاب کو درست تسلیم کیا اور اس کے خلاف خروج نہ کیا۔ بلکہ اسلامی نقطہ نظر سے اسے صحیح سمجھ کر قبول کیا تھا۔

الدعوۃ والتبلیغ قبل القتال

نبی کریم ﷺ نے دحیہ کلبی کے ہاتھ چٹھی دے کر بھیجا جس میں قیصر روم کو دعوت دی تھی (مشکوٰۃ ص ۳۴۰) مشکوٰۃ ص ۵۶۳ سطر آخری میں ثم ادعھم الی الاسلام

نبی کریم ﷺ نے عبداللہ بن حذیفہ ؓ کے ہاتھ چٹھی دے کر بھیجا جس میں کسریٰ کو دعوت اسلام دی تھی (مشکوٰۃ ص ۳۴۱)

نبی کریم ﷺ نے کسریٰ قیصر نجاشی اور ہر جابر بادشاہ کی طرف چٹھیاں بھیجیں جن میں یہ وصیت اور ان کو دعوت اسلام کی دی (ص ۳۴۱)

نبی کریم ﷺ جس کسی کو لشکر پر امیر بنا کر بھیجتے تو اس کو وصیتیں کرتے جن میں یہ وصیت بھی ہوتی کہ پہلے اُن کو تین باتوں میں سے ایک کی دعوت دو یعنی پہلے تو اسلام کی دعوت دو۔ مان لیں تو ہاتھ روک لو اور کہو کہ دار مہاجرین میں آجاؤ تو جو برتاؤ ان کے ساتھ ہوگا وہی ان کے ساتھ کیا جائے گا۔ اگر انہیں ترک وطن منظور نہ ہو تو اعراب مسلمین کی طرح رہیں گے اور بغیر جہاد کے ان کو غنیمۃ وفے میں سے کچھ مال ملے گا۔ اگر وہ اسلام قبول نہ کریں تو ان سے کہو جزیہ دیتے رہو اگر جزیہ دینا مان لیں تو ہاتھ روک لو اگر جزیہ دینا قبول نہ کریں تو اللہ سے مدد لے کر ان کے ساتھ لڑو۔ (ص ۳۴۱)

خالد بن ولید ؓ: نے اہل فارس کو قتال سے پہلے چٹھی لکھی جس میں دعوتِ اسلام تھی اور کہا کہ اگر اسلام نہ لاؤ تو جزیہ دینا قبول کرو۔

1 **عبادۃ بن صامت** ؓ: ہم نے حضور اکرم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی اس شرط پر کہ۔۔۔ جب تک کہ تو صاف کفر نہ دیکھ لیں امیر سے امر خلافت میں اس

کے ساتھ نزاع نہ کرو۔۔۔

۲ ابن عباسؓ: جو امیر کی کوئی ناپسندیدہ بات دیکھے تو صبر کرے۔ جو جماعت سے بالشت بھر جدا ہوا وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔

۳ ابو ہریرہؓ: جو طاعت امیر سے نکل کر جماعت سے الگ ہو کر مرا تو جاہلیت کی موت مرا

۴ عوف بن مالک اشجعیؓ: ۔۔۔ شرار ائمہ کے ساتھ عہد شکنی کر کے ان کے ساتھ قتال مت کرو جب تک وہ نماز کے پابند رہیں ۔۔۔ جو شخص والی (امیر) میں اللہ کی نافرمانی میں سے کچھ بات دیکھے تو اس کو ناپسند تو سمجھے مگر اس کی طاعت سے ہاتھ نہ ہٹائے۔

۵ ام سلمہؓ: امیروں کے منکر کاموں کو منکر سمجھے۔۔۔۔۔۔ مگر ان کے ساتھ قتال نہ کرے جب تک نماز کے پابند رہیں۔ یعنی مسلمان رہیں،

۶ ابن مسعودؓ: منکر کام کرنے والے امیروں کو اُن کے حقوق ادا کرتے رہو اور اپنے حق اللہ سے مانگو۔

۷ ابن عمرؓ: امیر کی طاعت سے جو ہاتھ کھینچے گا اگر اسی حالت میں گیا تو جاہلیت کی موت مرا (ص ۳۲۰)

۸ ابو سعیدؓ: دو خلیفوں میں سے پہلے خلیفہ کی بیعت مکمل رکھو پھر بھی دوسرا بیعت کرے تو اسکو توڑو کہ وہ باغی ہے

۹ عرفجہؓ: اس امیر کے مجتمع امیر کو بکھیرنے کا جو ارادہ کرے گا تو اسے تلوار سے مار دو ہو جو بھی ہو۔

۱۰ عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ: جن کے ہاتھ پر بیعت ہو جائے اس کے بعد جو بھی اس کے ساتھ نزاع کرنے آئے تو اس کی گردن اڑا دو۔

۱۱ ابوذر غفاریؓ: میرے بعد امیر مال فئے میں اپنے کو ترجیح دیں گے مگر تم بجائے تلوار اٹھانے کے صبر کرنا حتے کہ مجھ سے آملو (ص۳۲۲)

ہمارے چند سوالات

سوال ۱ : ہمارا پہلا سوال یہ ہے کہ حضرت معاویہ ؓ کا بیٹا یزید مسلمان تھا یا کافر۔

﴿۱﴾ اگر اصلی کافر تھا تو صحابہ ؓ ضرور اس کے خلاف ہو جاتے کیونکہ حضرت عبادۃ بن صامت فرماتے ہیں ہم نے نبی کریم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی کہ تمہیں قطعی دلیل کے ساتھ امیر کا صریح اور صاف ظاہر باہر کفر نہ دیکھیں اس سے تنازع نہ کریں بـایعنا رسول الله ﷺ ۔۔۔۔علیٰ ان لاتنازع الامراء الاان تروا کفرا بواحاً عندکم من الله فیه برهان ۔ متفق علیه (مشکوۃ ص ۳۱۹)۔

نیز اگر کافر تھا تو اس کو حضرت حسین نے موافق احادیث نبویہ مذکورہ بالا کے دعوت اسلام کی دی تھی؟

ا اگر دی تھی تو علم تاریخ پر ایمان رکھنے والے کسی مورخ کی عبارت بتائیں جس میں صحیح سند کے ساتھ ثقہ راویوں کے حوالے سے منقول ہو کہ آپ ؓ نے یزید کافر ومنکر الاسلام کو دعوت اسلام دی تھی۔

ب اگر دعوت نہ دی تھی تو احادیث نبویہ کی روشنی میں بتایا جائے کہ شریعت کے کونسے اصول کے مطابق اس کو دعوتِ اسلام دینا ضروری نہ تھا؟

﴿۲﴾ اور اگر مرتد تھا۔ا۔تو حضرت حسین ؓ نے اس مرتد کے اشکالات اور شکوک کو معلوم کر کے ان کا ازالہ فرمایا؟

ا اگر ازالہ فرمایا ہے تو مومنین علم التاریخ بتائیں کہ حضرت حسین ؓ نے یزید کو فرمایا تھا کہ تو اپنے شکوک وشبہات پیش کر جس کا میں ازالہ کر دوں؟

کہ حضرت حسینؓ کو اس کا علم تھا کہ ان کے ساتھی کوفی انہیں دھوکہ دیں گے؟ اور اس کے باوجود وہ کوفہ کیوں گئے؟ اس میں کیا حکمت تھی۔

ب اگر مؤرخین نے یہ چیز نہیں بتائی تو اس میں کیا حکمت تھی۔

ج اگر حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کو یہ نہیں فرمایا تو احادیث نبویہ کی رو سے ہمیں یہ بتایا جائے کہ اس مرتد کے اشکالات زائل نہ کرنے کا کونسا اصول تھا۔

سوال ۲ اور اگر یزید مسلمان تھا

ا تو اس کے امیر ہونے کی بیعت صحابہ کرامؓ نے کیوں کی؟

ب کیا وہ صالح تھا یا فاسق اگر فاسق تھا تو اس کا فسق صحابہ شامِ پر جو یزید کے قریب رہتے تھے ظاہر تھا یا مخفی تھا؟ اگر ظاہر تھا تو صحابہ شامِ نے اس کے ظہور فسق کے باوجود اس کے ہاتھ پر بیعت کیوں کی؟ اگر یزید سے ڈر کر بیعت کی تو یہ بات غلط ہے کیونکہ جو صحابہ کرامؓ مشرکین و دیگر کفار کے سامنے سینہ سپر ہو کر لڑتے تھے وہ ایک اور صرف ایک بندے سے کیونکر ڈرتے۔ جب کہ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ نافع وضار صرف اللہ تعالیٰ ہے وہی فتح وشکست کا مالک ہے۔ کیا وہ کشمیر کے حریت پسندوں سے بھی گئے گزرے تھے؟

اور اگر یزید سے بیعت کسی نہ کسی طرح کر لی تھی تو مسلمان کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے بعد تعلیم نبوی تو یہ ہے کہ جب تک امیر سے صاف صاف کفر نہ دیکھ لیں تو امر خلافت میں اس کے ساتھ نزاع نہ کرو کیونکہ جو امیر کی طاعت سے ہاتھ کھینچے گا اور وہ پھر اسی حال میں مر گیا تو جاہلیت کی موت مرا نیز فرمایا کہ امیر کے منکر کاموں کو منکر سمجھے مگر ان کے ساتھ قتال نہ کرے جب تک کہ وہ نماز کے پابند یعنی مسلمان ہیں۔

نیز جب دوسرے صحابہ کرام کو نبی کریم ﷺ کی یہ تعلیم ہے تو کیا حضرت حسین رضی اللہ عنہ اس تعلیم سے مستثنیٰ تھے اور ان کو نبی کریم ﷺ کا یہ حکم تھا کہ صرف تیرے لئے یہ حکم ہے کہ فاسق امیر کے خلاف جہاد کرنا تجھ پر فرض ہے۔ اگر یہ خصوصی حکم حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لئے تھا تو اس کا ثبوت درکار ہے

ہر آں چیز گفتی دلیلش بیار۔

اور اگر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لئے الگ کوئی مخصوص حکم (قتال بالامیر الفاسق) نہ تھا اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جو تعلیم نبوی تھی حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی اس عمومی حکم میں داخل ہیں تو کیا وجہ ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ تعلیم نبی کریم ﷺ کے برعکس ایک مومن امیر کے خلاف علم بغاوت اٹھا کر برسرِ پیکار ہوئے؟

اور اگر فسق یزید مخفی تھا تو سوال ہوتا ہے کہ یزید کے قریب رہنے والے شام کے باشندے صحابہ کرام پر سے تو فسقِ یزید مخفی رہا اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو معلوم ہو گیا جو شام سے دور مدینہ اور مکہ میں رہتے تھے۔

اور اگر کشف والہام سے معلوم ہوا تو غیر نبی کا کشف والہام حجت نہیں

اور اگر کسی کے اِعلام سے معلوم ہوا تو اس مُعْلِنِ نے اپنے قریب کے صحابہ (شام کے باشندوں) کو کیوں نہیں بتلایا

اور مکہ مدینہ کے دوسرے صحابہ کرام کو کیوں نہ بتایا صرف حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو بتانے کا کیا مطلب تھا

اگر دوسروں کو اس نے بتایا تو اس جہاد کے لئے صرف حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کیوں تیار ہوئے دوسرے صحابہ کیوں تیار نہ ہوئے۔

اور یہ سوال اس صورت میں ابھرتا ہے جب کہ تاریخ کو قطعی دلیل (مثل القرآن والحدیث التواتر) قرار دے کر اس پر ایمان لایا جائے اور اس کے منکر کو کافر بے ایمان اور واجب القتل یا کم از کم قابل تعزیر کہا جائے۔

مگر ہر چہ باداباد۔ کم از کم میں تو اس بات کو تسلیم نہیں کر سکتا کہ باوجود تعلیم نبی کریم ﷺ کے خود آپ ﷺ کا پیارا جنتی نواسہ۔ علیؓ وفاطمہؓ کا صاحبزادہ فقاہت واجتہاد کا پتلا۔ آپ کی تعلیم کو ٹھکرائے۔ اور اپنا حکم چلائے۔ اگر تمام مؤرخین اس بات پر اجماع ہی کیوں نہ کر لیں۔ کیونکہ ان کا اجماع اسی طرح کا ہے جس طرح کا اجماع صلب عیسیٰ پر یہود ونصاریٰ کا ہے اور وہ اس کے تواتر کے مدعی ہیں جیسے شرح عقائد میں ہے۔

اور اگر اس مفروض اجماع کو تسلیم کر لیں تو حضرت حسین ؓ پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ معاذ اللہ حضرت حسین ؓ حضرت رسول اللہ ﷺ کی تعلیم کے خلاف کرتے رہے۔ پھر کوئی یوں بھی کہہ سکتا ہے کہ معاذ اللہ حضرت حسین ؓ کو خود خلیفہ بننے کا شوق تھا اور خلافت کے خواب دیکھ رہے تھے۔ جس میں وہ ناکام ہو کر رخصت ہوئے۔ جان گئی اور خلافت بھی نہ مل سکی۔ حسرت دل ہی دل میں رہی۔

میرا نظریہ یہ ہے

کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا یزید کی طرف سے والی مکہ کے ہاتھ پر بیعت کا ذکر تو مؤرخین کے قلم سے نکل ہی گیا ہے۔ اسی طرح حضرت حسین ؓ نے بھی

بیعت کرلی تھی اگرچہ مؤرخین اس سے خاموش ہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ کی تعلیم یہ ہی تھی کہ مَنْ شَذَّ شُذَّ

نیز امر خلافت کوئی معمولی کام نہیں ایسے اہم امر کے لئے مجلس شوریٰ بلائی جاتی ہے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کی علامت بتائی ہے وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰی بَیْنَهُمْ اور امام الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ تک کو اللہ تعالیٰ نے اپنے اصحاب سے مشاورت کا حکم فرمایا (وَشَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ) اور اس دور میں مکہ شریف میں بڑے بڑے اور اولوالعزم اصحاب کرامؓ موجود تھے جن کو امور سلطنت کی سمجھ بوجھ بخوبی تھی جیسے حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت جابرؓ جو عمر میں بھی حضرت امام حسینؓ سے بڑے تھے ان سے مشورہ کرنا ضروری تھا۔ آپؓ نے تعلیم الٰہی کو مدنظر رکھتے ہوئے ان بزرگوں سے ضرور مشورہ کیا ہوگا اگرچہ تاریخ اس سے خاموش ہے۔ مگر حقیقت اسی طرح ہے۔ پھر ان اکابر نے مشورہ یہی دیا کہ خروج مناسب نہیں کیونکہ تعلیم نبوی یہ نہ تھی یہی وجہ ہے کہ اکابر صحابہ کرامؓ میں سے کوئی خروج کے لئے تیار نہ تھا اور نہ ہی خروج کیا۔ اور صرف حضرت امام حسینؓ کا ان اکابر صحابہ کرام کی آراء کے علی الرغم ان کے ہوتے ہوئے اور ان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے جہاد پر نکل پڑنا ان کی شان کے خلاف تھا۔ اور پھر تاریخ بھی یہی بتاتی ہے کہ ان اکابر نے آپ کو روکا تھا۔

اور اگر آپ نے اکابر کے مشورہ کو ٹھکرانے کے باوجود جہاد عدو اللہ کے لئے جانا ہی تھا تو ایسے پرخطر حالات میں اپنے چھوٹے چھوٹے معصوم بچوں اور عورتوں کو ہمراہ لے جانے کی کیا وجہ تھی۔ کیا معصوم بچے جہاد کے مکلف تھے؟ یا وہ

تلوار لے کر کسی ایک کافر کو فی النار کر سکتے تھے ۔ اور حضرت خود جہاد کرتے یا معصوم بچوں کو سنبھالتے کہ ان کو صدمہ نہ پہنچے ۔ پھر معقول فوج بھی ہمراہ نہ تھی ۔ اتنی بڑی حکومت سے ٹکر جبکہ فوج کے آدمی عورتیں بچے ملا کر صرف بہتر ۷۲ افراد ۔ یہ بات تو ایک ادنیٰ سی سمجھ بوجھ رکھنے والے کو بھی کھٹکتی ہے کہ امام الانبیاء جو اَعقَلُ النَّاس فِی الدُّنیَا و الاٰخِرَۃِ ۔ کے پیارے نواسے جن کو آپ نے گود میں لے کر تربیت کی ہو وہ ایسا اقدام کریں جو آپ کی تعلیم اور قرآن وسنت اور عقل انسانی کے بالکل خلاف ہو ۔

نیز جہاد کرنا بغیر حکمِ امیر کے کہ جو چاہے اور جب چاہے چلے جاؤ جبکہ بمع معصوم بچوں اور عورتوں کے یہ کہاں کا طریقہ ہے ۔ (جبکہ حدیث کی رو سے عورت کے لئے جہاد حج ہے) کیا اسلام میں یہی حکم ہے ۔ جبکہ ساتھ کوئی قابل ذکر جنگ کرنے والے بھی نہ ہوں ۔ اکیلے ہی جنگ کرنے نکل پڑیں اور پھر یار بھی نہ ہوں ۔

باندازِ دیگر

کہتے ہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ ۸ ذی الحجہ ۶۰ھ کو مکہ مکرمہ سے روانہ ہوئے ہیں اور ۸ ذی الحجہ کو باہر کے دور دراز اسلامی علاقوں کے باشندے (روم۔ فارس۔ یمن۔ وغیرہ کے ہزاروں لوگ) سمٹ کر حرم پاک میں عبادت یعنی فریضہ حج ادا کرنے کے لئے آکر مکہ مکرمہ سے منیٰ میں جانے کی تیاری میں لگ جائیں گے پھر میدان عرفات میں عظیم الشان اسلامی ملی اجتماع ہوگا پھر قربانی وطواف زیارت ورمی جمار جیسی عبادتیں ہوتی ہیں وہاں اللہ کی بارگاہ میں کھڑے ہوکر گڑگڑاتے ہوئے فتح ونصرت کی دعا کی جاتی ہے۔

عقل تو تقاضا کرتی ہے کہ امام منافی الدین حضرت حسین رضی اللہ عنہ اگر اتنی بڑی سلطنت سے ٹکر لینے لگے تھے تو چار پانچ روز کی تاخیر ہو جاتی تو کیا تھا آخر شعبان تا ۸ ذی الحجہ اتنا وقفہ تو گزر ہی تھا آپ میدان عرفات میں جاکر رو رو کر دعا کرتے کہ یا اللہ اس غاصب سے ہماری جان چھڑا اور اس کافر پر ہمیں فتح عطا کر دینا اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ پھر مقام مزدلفہ میں رمی جمرین کے بعد لمبی چوڑی دعا کرتے۔ اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کے نواسے کی دعا رد نہ فرماتا اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ اور پھر میدان عرفات میں کھڑے ہوکر قرآن وحدیث سے لبریز تقریر بلیغ اس عظیم الشان اجتماع میں اپنی ہاشمی فاطمی جوش وخروش کے ساتھ اپنی فصیح وبلیغ زبان سے بیان فرماتے جس سے ان مسلمانوں کے دل موہ لیتے اور تمام عوام کا دل اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی طرف ایسا مائل ہوتا کہ اپنا مال وجان واولاد سب کچھ آپ پر قربان کرنے کو تیار ہو جاتے وہاں آپ کو اس کافر کے ساتھ قتال کرنے کی نوبت ہی نہ آتی وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ کا سا معاملہ

ہوتا۔اسی وقت یزید کی نفرت کی لہر تمام عالم اسلام میں پھیل جاتی ۔یزید کا تختہ کیا اللّٰہ اس کی بوٹی بھی کہیں نظر نہ آتی اور اس کے تمام کنبہ والوں کو کہیں پناہ ہی نہ ملتی اور ابن زیاد تو خود ہی ختم ہو گیا ہوتا۔

نیز یہ دیکھیں کہ آج پندرھویں صدی کے دور میں اگر ایک پاکستانی مکہ معظمہ پہنچا ہوا ہوتا اور کوئی اس کو جا کر پیغام پہنچاتا کہ اسمبلی ٹوٹ گئی ہے اور نئے انتخابات میں آپ کے نام کی درخواست دی جا چکی ہے آپ جلدی تشریف لائیں تو یہ پاکستانی اپنے ووٹوں کی خاطر حج چھوڑ کر نہ جاتا بلکہ کہتا کہ اللہ بھلی کرے گا میں حج تو کر لوں یہ مبارک موقعہ اپنے ہاتھ سے کیوں نکالوں ۔ان مقامات میں اللہ تعالیٰ سے دعا مانگوں گا مجھے اللہ تعالیٰ پر امید واثق ہے کہ مجھے کامیابی عطاء فرمائے گا۔

مگر نواسۂ رسول اللہ ﷺ کو معاذ اللہ خلافت کا ایسا نشہ تو نہ تھا کہ ایام حج جیسے مبارک ایام چھوڑ کر تحصیل خلافت کے لئے بے چین ہو کر بجائے شام کی طرف رخ کرنے کے کوفہ کو رخ کیا پھر کوفہ سے بھی رخ موڑ کر شام کی طرف رخ کر لیا۔ اگر یہ بات مان لی جائے تو پھر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے تو جنرل ضیاء الحق ہی اچھا رہا کہ جب بھی اسے کوئی مہم پیش آتی تو سیدھا مکہ شریف جا پہنچتا اللہ تعالیٰ سے رو رو کر دعائیں کرتا۔

مگر میرے دل میں یہ سوال بار بار ابھرتا ہے کہ آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ ہو کر نواسۂ رسول ﷺ اور شیرِ خدا کا بیٹا فاطمہ کا لاڈلہ عین حج کے موقعہ پر حرم شریف سے باہر جا رہے ہیں صحرا نوردی کر رہے ہیں ۔جا بھی وہاں رہے ہیں جہاں ان کے والد ماجد رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے ہیں اور ان لوگوں کے ہمراہ جا رہے ہیں جو سب عجمی ہیں جن کے دلوں میں عرب دشمنی جاگزین ہے اور اپنے ساتھ نہ بہنوئی ہے نہ چچا ہے نہ کوئی صحابی رسول ﷺ ۔

کیا وہ عجمی لوگ اپنے برادری کے لوگوں سے زیادہ پیارے تھے؟ صحابہ کرامؓ سے زیادہ پیارے تھے؟ جن کو سالہاسال کی صحبت نبوی حاصل تھی اور قرآن وحدیث سے خوب واقف اور عامل بالوجیین تھے۔ پھر طرہ یہ کہ کسی صحابی سے مشورہ بھی نہ لیا باوجود حافظ وعالم قرآن ہونے کے جس میں مومنین کی صفات میں سے یہ بھی ہے وَ اَمْرُ ھُمْ شوریٰ بینھم ۔ اور جس بدمعاش (بقول شیعہ) قرآن وسنت کے پامال کرنے والے کے خلاف جہاد کرنے جارہے ہیں اس کو آگاہ بھی نہیں کیا۔ نہ خط سے نہ پیغام سے تو اچانک اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور اٹھے بھی تو جو سراٹھا فسق وفجور کا اس کی طرف نہیں بلکہ اس کے والی کی طرف جو اس کا مقرر کردہ تھا والی بھی صرف کوفہ کا۔ نہ بصرہ کے والی کی طرف رخ کیا نہ یمن کے والی کی طرف نہ کسی اور کی طرف۔

اور پھر کوفہ بھی تو تجربہ سے ثابت ہو چکا تھا کہ مفسدین کا مقام ہے وہاں حضرت علی ﷛ کو شہید کیا گیا اور اس قدر وہ سرکش لوگ تھے کہ حضرت علی ﷛ کو قدیمی دارالخلافہ مدینہ شریف کو چھوڑ کر کوفہ کو دارالخلافہ بنانا پڑا کہ ان لوگوں کے سر پر جب تک نہ بیٹھیں اپنی شرارتوں سے باز نہ آئیں گے پھر بھی آپ کو شہید کیا گیا اور وہ اتنے مفسد کہ باتیں ایسی چکنی چپڑی کرتے تھے کہ غیر مسلموں کو دعوت اسلام دینے اور ان کے ساتھ جہاد کرنے کی طرف توجہ کرنے سے مانع رہے اور آپس کی خانہ جنگی میں ان کی خلافت کا سارا وقت لگا دیا اور یہ باتیں حضرت امامنا فی الدین حسین ﷛ کو معلوم بھی تھیں پھر باوجود ان تمام امور کے حضرت امام حسین ﷛ کا کوفہ کی طرف بذات خود سفر کرنے کے لئے صرف ۷۲ بندوں کو ہمراہ لے کر چلنا جن میں سے بعض شیر خوار بچے ہیں بعض عورتیں ہیں اور ان کے پاس ہتھیار بھی نہیں ہیں اور پھر بزعم روافض آپ غیب دان بھی ہیں آئندہ کے تمام حالات ایسے معلوم ہیں جیسے

ہتھیلی پر کوئی چیز رکھی ہو باوجود اسکے پھر بھی اُن کا نکلنا عجیب سی بات معلوم ہوتی ہے۔

مسئلہ شرعی بھی ان کو معلوم تھا کہ نابالغ بچہ جہاد میں نہ جائے۔ حضور اکرم ﷺ نے

۱۴ سال کے بچے (ابن عمرؓ) کو بھی جہاد کے لئے منتخب نہیں کیا (مشکوٰۃ ص ۲۹۲)

۔اور حدیث میں ہے عن عائشہؓ استاذنتُ النّبیَّ ﷺ فی الجھاد فقال جھاد

کن الحج متفق علیہ (مشکوٰۃ ص ۲۲۱) عورتوں کا جہاد حج ہے مسئلہ شرعی معلوم ہونے

کے باوجود پھر بھی شیر خوار بچوں اور عورتوں کو ساتھ کیونکر لے چلتے ہیں۔

الحاصل

ان تمام حالات سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ یہ مفروضہ ہی غلط ہے کہ حضرت امام حسین ؓ باوجود عالم فاضل ہونے کے بغیر اس کے کہ یزید یا ابن زیاد کو خطوط یا پیغام بھیجے اور اطلاع دیئے دیتے اور ان کو دعوتِ اسلام دینے کے بغیر اور صحابہء مکہ و مدینہ سے مشورہ لئے بغیر محض ان مفسدین کے کہنے پر جن کا افساد زمانہ قدیم سے واضح تھا اور ان کے متعدد خطوط پر اعتماد کر کے چند افراد عورتوں اور شیر خوار بچوں کو ساتھ لے کر ایک طویل اور مشکل سفر پر نکلے اور ایک بڑی حکومت کے ساتھ ٹکر لی اور پھر مزید براں یہ امر کہ اس جہاد سے جس کا عزم بالجزم کر کے نکلے ہوں اس سے رجوع کر لیا اور کہا ہو کہ

1. مجھے مکہ یا مدینہ واپس جانے دو
2. یا کسی سرحد پر بھیجو
3. یا یزید کے پاس پہنچاؤ۔ جیسے مؤرخین کا بیان ہے۔

معمولی سی عقل رکھنے والا بھی اگر بنظر غائر سوچے تو یہ سب تاریخی مغالطہ سمجھ لیگا

کہ تاریخ والوں کا یہ سب بیان ہی غلط ہے کیونکہ

1. اس سے یا تو حضرت امام حسین ﷜ کی قرآن وسنت سے جہالت ثابت ہوتی ہے۔
2. یا قرآن وسنت کی تغلیط نکلتی ہے۔
3. یا حضرت امام حسین ﷜ کی سیاسی نالائقی ثابت ہوتی ہے۔

والعیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ

اور ہمارا (اہل السنۃ والجماعۃ کا) قطعی عقیدہ ہے کہ نہ تو حضرت امام حسین ﷜ قرآن وسنت سے جاہل تھے بلکہ بہت بڑے محقق صحابی عالم تھے اور ان کے علم دین کا پایہ بلند تھا اور نہ ہی قرآن وسنت کی تغلیط جائز ہے بلکہ کفر بواح ہے۔ اور نہ حضرت امام حسین ﷜ اس دور کی سیاست سے ناواقف تھے۔

اس لئے قرآن وسنت کو سامنے رکھ کر اور حضرت امام حسین ﷜ کا علمی پایہ بلند سمجھتے ہوئے اور سیاستِ زمانہ سے بخوبی واقف سمجھ کر تاریخ کو بائیں پاؤں سے ٹھکراتے ہوئے ہم ببانگ دہل کہتے ہیں کہ حضرت امام حسین ﷜ خروج اور بغاوت کے جرم سے پاک ہیں وہ ایسے موقعہ پر بذات خود کبھی آمادہ نہیں ہوئے اور نہ خطوط پر ان کو اعتماد تھا اور نہ ہی ان بدمعاشوں پر اعتماد تھا۔

دراصل ہوا یہ تھا

کہ ان کو مع بال بچوں کے اغوا کیا گیا۔ آپ امارت کے طالب نہ تھے کیونکہ عبدالرحمٰن بن سمرہ نے فرمایا مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لَا تَسْأَلِ الْاَمَارَةَ .

اصل واقعہ قرآن وسنت کی روشنی میں

اصل واقعہ قرآن وسنت کی رو سے اس طرح ہے۔ جسے مؤرخین نے اپنے سانچے پر ڈھال کر قرآن وسنت کو پس پشت ڈال کر الٹ لکھ دیا۔

وہ یہ ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ عشاء کی نماز تہائی رات گزرنے پر پڑھتے تھے (کانَ یصلیھا (العشاءَ) لِسُقُوطِ الْقَمَرِ للثالثة (مشکوٰۃ ص ۶۱) لو لاان آشقَّ علی امتی لَاَمَرْتُھم اور نماز عشا سے فارغ ہو کر باتیں کرنے کی ممانعت تھی سو جانے کا حکم تھا والعشاء اذا غاب افق الی ثلث اللیل فمن نام فلا نامت عَینُہٗ ثلثاً (مشکوٰۃ ص ۶۰)

وکان یکرہ النوم قبلھا والحدیث بعد ھا پھر سحری کے وقت مرغ کی پہلی اذان پر تہجدوں کی نماز کے لئے اٹھتے تھے۔ اور صحابہ کرام جس طرح متبع سنت تھے اتنی اتباع اور کون کر سکتا ہوگا۔

کیونکہ جیسے حدیث میں سالم کہتے ہیں ھل یتبعون ذلک الاسنته (ص ۲۳۰ مشکوٰۃ) انا احب ان استن بسنته ص ۲۱۲ نفعل کما کان یفعل علیہ السلام (مؤطا ص ۵۱)

کوفہ کے مفسرین مکہ شریف میں آکر صحابہؓ کے معمولات کا مطالعہ کرتے رہے انہوں نے باہم مشورہ کر کے سوچا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو مع بال بچوں کے دن میں لے جانا مشکل امر ہے اس میں صحابہ مانع بنیں گے الٹا ہمیں اذیت پہنچائیں گے اس لئے نماز عشاء اور تہجدوں کے درمیان والا وقت اغواء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے لئے نہایت موزون ہے۔ چنانچہ اسی مشورہ پر عمل ہوا اور ساٹھ آدمیوں نے اپنی سیاست سے اونٹوں پر سفر کیا اور کسی کو

بولنے نہ دیا راتوں رات بھگایا ۵۶ میل کا سفر ایک دن میں کیا اور بستان نبی عامر میں جا دم لیا تا کہ تعاقب کرنے والے اتنے وقت میں تعاقب نہ کر سکیں گے اس کے بعد کی منزلیں آرام سے چلتے گئے۔

حالانکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا لعن رسول الله ﷺ من فرق بين الوالد وولده وبين الاخ وبين اخيه (مشکوٰۃ ص ۲۹۲)

پھر تمام دنیا اسلام کو چھوڑ کر صرف ۶۰ بدمعاشوں کے کہنے پر چلنا جب کہ مکہ مکرمہ میں بڑی جماعت صحابہ کرامؓ کی موجود تھی اور ان سے اس امر میں مشورہ لیا جا سکتا تھا۔ عقل ونقل کے خلاف ہے۔ اور حضرت امام حسین ﷺ کی محفوظ شخصیت سے اس کا صدور کیسے ممکن ہے۔ والعیاذ بالله

اگر حضرت امام حسین ﷺ کا اغواء تسلیم نہ کریں تو یہ کہنا پڑیگا کہ حضرت امام حسین ﷺ والعیاذ باللہ تمام جماعت صحابہؓ سے علیحدہ ہو گئے اور صابر نہ تھے اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا من رایٔ من امیره شیئاً یکرهه' فليصبر فانه ليس احد يفارق الجماعة شبراً فيموت الامات ميتةً جاهليةً متفق عليه (مشکوٰۃ ص ۳۱۹)

اس تاریخی ڈھکو سلے کو مان لیں تو کہنا پڑے گا کہ حضرت امام حسینؓ خروج کا ارادہ کر کے متبع غیر سبیل المؤمنین ہوئے والعیاذ باللہ تو آپ سوچیں کہ یہ حضرت حسین ﷺ کی دوستی ہے یا عداوت اور پھر نہ حضرت مسلم بن عقیل نے بیعت لی کیونکہ ہمارا عقیدہ ہے کہ وہ اس حدیث سے ناواقف نہ تھے جو ابوسعید خدریؓ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب دو خلیفوں کی یکے بعد دیگرے بیعت ہوئی ہو تو دوسرے کو قتل کرو۔ اذا بويع الخليفتين فاقتلوا الآخر منهما رواه مسلم (مشکوٰۃ ص ۳۲۰)

اور اگر بیعت تسلیم کریں تو حضرت مسلم کو قصور وار کہنا ہوگا اور یہ بھی ماننا ہوگا کہ ان کا قتل والعیاذ باللہ برحق تھا۔ مگر کم از کم میں تو اس حدیث کی رو سے اور مسلم بن عقیل کے کامل الایمان ہونے کی وجہ سے اس تاریخی واقعہ کا منکر ہوں کیونکہ اس کے تسلیم کرنے سے لازم آتا ہے کہ مسلم بن عقیل اہل کوفہ کی بیعت کر کے اس محمدی امت میں تفریق ڈالنا چاہتے تھے۔ تو حسب فرمان نبوی واجب القتل ماننا ہوگا کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا من اراد ان یفرق امر هذه الامة وهی جمیع فاضربوه بالسیف کائنامن کان (مشکوۃ ص ۳۲۰)

نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یزید نہ بے نماز تھا اور نہ شرابی تھا کیونکہ اگر یزید بے نماز ہوتا تو صحابہ کرام جو بیعت کر بھی چکے تھے وہ بیعت توڑ دیتے کیونکہ (مشکوۃ ص ۳۱۹) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم پر بعض ایسے امراء ہوں گے کہ جن کے بعض افعال کو تم صحیح سمجھو گے اور بعض کو خلاف شرع۔ تو جو ان کے خلاف شرع اعمال کو خلاف شرع ہی سمجھے گا اور بتائے گا۔ تو وہ مداھنت ونفاق سے پاک ہے اور اگر ناپسند سمجھے گا وہ بھی سالم رہا وزرا ورو بال سے۔ لیکن جو شخص ان کے افعال شنیعہ پر راضی رہا اور عمل میں ان کے تابع رہا تو وہ گناہ میں ان کا شریک ہوگا۔ صحابہؓ نے عرض کی کہ کیا ہم اس وقت ان کے ساتھ قتال نہ کریں؟ تو آپ نے فرمایا کہ نہ۔ جب تک وہ نماز پڑھیں (دو بار فرمایا)

اب اگر اس حدیث کو مدنظر رکھیں تو کہنا پڑے گا کہ جو تاریخ میں بتاتے ہیں کہ یزید بے نماز تھا وہ غلط ہے۔ کیونکہ اگر یزید کو تاریخ کے مطابق بے نماز مانیں تو صحابہؓ پر اعتراض ہوتا ہے کہ انہوں نے (سوائے حضرت امام حسین ؓ کے) یزید سے قتال کیوں نہ کیا۔ جب انہوں نے قتال نہ کیا تو حضور کے حکم کی مخالفت کی اور اس مخالفت پر سوائے حضرت امام حسین ؓ کے سب متفق ہیں۔ تو گمراہی پر اجماع ہوا۔ اور نبی کریم ﷺ نے

فرمایا لاتجتمع امتی علیٰ الضلالہ ۔ اگر کہیں صحابہ حضرت امام حسین ؓ کے ساتھ تھے تو یہ بدیہی البطلان ہے۔ اور اگر کہیں کہ ساتھ نہ تھے تو صحابہؓ نے بے نماز کے ساتھ جہاد نہ کر کے نبی کریم ﷺ کی مخالفت کی اور ضلالت پر اجماع کیا تو یا نبی کریم ﷺ کی تکذیب لازم آئے گی یا صحابہؓ کو مخالفِ حکم نبی کہنا پڑے گا اور جو مخالف ہو حکم رسول اللہ ﷺ کے اس کے بارے قرآنی فیصلہ ہے وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ۔

نیز معلوم ہوتا ہے کہ یزید شرابی بھی نہ تھا کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اِنْ لَمْ يَتْرُكُوهُ فَاقْتُلُوهُمْ (مشکوٰۃ ص ۳۱۸)

یعنی اگر لوگ شراب خوری ترک نہ کریں تو ان سے قتال کرو۔

تو اگر یزید شرابی ہوتا تو صحابہ کرام اس کو منع کرتے پھر بھی اگر وہ شراب خوری سے نہ رکتا تو حسب ارشاد نبوی صحابہ کرامؓ اس کے ساتھ لڑ پڑتے لیکن وہ تو نہیں لڑے تو پھر یا تو کہنا ہوگا کہ صحابہ نے حکمِ رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کی ہے۔ یا کہنا ہوگا کہ یزید شرابی نہ تھا۔ لیکن پہلی بات غلط ہے۔ کیونکہ صحابہ کرام کی سعی بلیغ ہی یہ تھی کہ آپ کی پوری پوری اتباع حتی الوسع کریں۔ پس دوسری بات صحیح ہوئی کہ یزید شرابی نہ تھا۔

حدیث کی رو سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کی بیعت کی تھی

نیز حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کی بیعت کی ہے اور آپ کے ہاتھ پر کسی نے بیعت نہیں کی (مشکوۃ ص ۳۲۰) کیونکہ نبی کریم ﷺ نے

فرمایا مَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِيْ عُنُقِهٖ بَيْعَةٌ مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً

اگر آپ نے یزید کی بیعت نہیں کی تو معاذ اللہ آپ جاہلیت کی موت مرے۔ لیکن آپ کی موت تو شہادت کی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ آپ کی گردن میں بیعت تھی۔ اگرچہ مؤرخین نے اس کا ذکر اپنی کتبِ تاریخ میں نہیں کیا۔

مسئلہ کی وضاحت ایک دوسرے انداز سے

اتنی بات تو ٹھیک ہے کہ مشاجراتِ صحابہؓ کے بارے کفِ لسان ہی ٹھیک ہے ہمارے اساتذہ کرامؒ نے بھی یہی سمجھایا ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ وہ کون دیوبندی ہے جو یک طرفہ فیصلہ کرسکتا ہے یہ بھی ممکن ہے کہ پہلے اس کا ذہن ایسا ہی ہو پھر بدل گیا ہو اور وہ مرجوع الیہ قول نقل ہو کر نہ آیا ہو۔ اور اس کا عکس بھی ممکن ہے۔ مگر حق وہی ہے جو حضرت نبی کریم ﷺ ہمیں سمجھا گئے ہیں کہ خاموش رہو۔

تاریخ چونکہ صدیوں کے بعد لکھی گئی ہے اس میں بھی زیادہ تر ہاتھ غلاۃ (غالی کی جمع ہے) کا ہے اور بظاہر ان کے تصنع سے متاثر ہو کر بعض اہل السنۃ مورخ بھی مکھی پر مکھی مارتے گئے ہیں۔ جو بعد کے آنے والوں کے لئے موجبِ نزاع بن گئے ہیں اس لئے تاریخ کو حجتِ شرعیہ نہیں سمجھا جاتا۔ حجتِ شرعیہ صرف چار ہیں نص قرآن، احادیث صحیحہ، اجماع امت، قیاس مجتہدین، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بے شمار مقامات پر صحابہؓ کے مناقب بیان کئے ہیں۔ اور ان کے بارے فرمایا اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُوْمِنُوْنَ حَقًّا نیز فرمایا رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ۔ اور اللہ تعالیٰ جو علیم بذات الصدور ہے اور وہ یَعْلَمُ سِرَّھُمْ۔ لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَمَا یُعْلِنُوْنَ اللہ تعالیٰ کو ان صحابہ کرامؓ کے دلی ایمان کا بخوبی علم ہے اسی لئے کہا اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُوْمِنُوْنَ حَقًّا فرمایا۔

اب ان کے پکا مومن ہونے میں کون سا شک رہ گیا۔ اب جو شک کرے وہ مسلمان نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اس کا ایمان بالقرآن نہیں۔

اب رہے حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما سو وہ ان صحابہ کرامؓ میں سے ایک فرد

ہیں جو روئیہ بھی صحابی ہیں اور روایۃ بھی صحابی ہیں آپؓ نے اپنے نانا جان نبی اکرم ﷺ سے 8 حدیثیں سنی ہیں اور ان کے برادر بزرگ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے نانا جان سے 19 حدیثیں یاد کیں اور یہ دونوں مسندین حضرت امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں جمع کی ہیں۔ صفحہ نمبر ۳۲۸ سے صفحہ نمبر ۳۳۱ تک دیکھ

حضرت حسنؓ طالبِ خلافت نہ تھے لوگوں کے مجبور کرنے پر صرف ۶ ماہ خلافت کی پھر اپنی عبادات میں خلل سمجھتے ہوئے حضرت معاویہؓ کو خلافت سونپ دی پھر یہی حال حضرت حسینؓ کا تھا وہ بھی طالبِ خلافت نہ تھے اسی لئے انہوں نے اسی میں عافیت سمجھی کہ مدینہ سے چلا جاؤں پھر یہی مناسب سمجھا کہ مکہ سے بہتر کوئی جگہ نہیں وہاں بیت اللہ ہے جس میں ایک نماز کا مسجد نبوی میں لاکھ نماز پڑھنے سے بھی زیادہ درجہ ہے۔ اس لئے مدینہ چھوڑ کر مکہ پہنچ گئے۔

کوفہ والوں کو علم ہوا کہ حضرت حسینؓ مکہ میں مقیم ہیں انہوں نے خطوط کا سلسلہ شروع کر دیا ساتھ ہی آدمیوں کا تانتا بھی لگ گیا۔ ان دنوں مکہ میں بعض صحابہ کرامؓ بھی رہائش پذیر تھے۔ انہوں نے حضرت حسینؓ کے پاس کوفیوں کی آمد و رفت کو دیکھ کر محسوس کیا کہ معاملہ کچھ ٹھیک نہیں اس لئے حضرت حسینؓ کو سمجھایا کہ بھتیجے! خیال کرنا ان آدمیوں کا تیرے پاس آنا جانا اچھا نہیں۔ ان کی چکنی چپڑی باتوں میں نہ آنا۔ حضرت حسینؓ نے انہیں یقین دلایا۔ چچا جی! میں ان کا کہا نہیں مانوں گا۔ وہ کوفی بھی بڑے چالاک تھے صحابہؓ کا نظام الاوقات مرتب کیا ۸ ذی الحجہ کی رات کا انتظار کیا جب کہ سب حجاج منیٰ میں جانے کے لئے احرام باندھنے میں مصروف ہوں گے تہائی رات کے وقت صحابہ کرامؓ عشاء کی نماز پڑھ کر سو جاتے ہیں پھر تہجد پڑھنے کے لئے اتنے وقفے کے بعد جاگ اٹھتے ہیں۔ اس

درمیانی وقفے میں حضرت حسینؓ کو گھر سے اٹھایا اور عورتوں بچوں سب کو کجادوں میں ڈال کر اونٹوں کو بھگایا اتنا بھگایا کہ ایک دن میں دو دن کا راستہ طے کرتے ہوئے بستان نبی عامر میں جادم لیا۔

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حسینؓ نے یزید کے خلاف خروج نہیں کیا۔ اگر خروج کرتے تو بجائے کوفہ جانے کے شام کو جاتے جہاں یزید کا قیام تھا وہاں افہام وتفہیم سے مسئلہ حل ہو جاتا یزید میں اگر کچھ کمی ہوتی تو افہام وتفہیم سے ختم ہو جاتی۔ مگر کوفیوں نے تو یہ سوچا کہ رات کی تاریکی میں ہمارا مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔ پھر شیر خوار بچوں اور عورتوں کو نکال کر لے جانے کا کیا مطلب تھا بس یہ سب کوفیوں کا منصوبہ تھا جو آپؓ کو اغوا کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ ابن زیاد حضرت حسینؓ کا مخالف تھا اس کو پیش کر دیں گے وہ آپ ان سے نمٹ لے گا۔ مگر ابن زیاد نے یہ سمجھا کہ کہیں کوفی حضرت حسینؓ کو مار نہ دیں اس نے اس ارادہ سے فوج بھیجی کہ حضرت حسینؓ کو صحیح سلامت میرے پاس پہنچا دیں میں خود اس سے بات کرلوں گا۔ مگر فوج پہنچتے ہی کوفیوں نے حضرت حسینؓ کو شہید کر دیا۔ اور ایک آدمی آپؓ کا سر مبارک تن سے جدا کر کے ابن زیاد کے پاس اس خیال سے لے گیا کہ ابن زیاد میرے اس کارنامہ پر مجھے انعام واکرام سے نوازے گا۔ چنانچہ ابن زیاد کے پاس سر مبارک لے جا کر انعام کا مطالبہ کیا ابن زیادہ اپنی لاٹھی کبھی حضرت حسینؓ کے دائیں رخسار پر کبھی بائیں رخسار پر لگاتا اور کہتا کہ تو حسین ہے۔ اتفاق سے کسی مسئلہ کی تحقیق کے لئے بصرہ سے آئے ہوئے حضرت انسؓ بن مالک اسی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے وہ برداشت نہ کر سکے انہوں نے کھڑے ہو کر کہا اے ابن زیاد جن رخساروں پر تو لاٹھی لگا رہا ہے ان رخساروں کو حضرت محمد رسول ﷺ بوسہ دیا کرتے تھے کچھ شرم کر۔ ابن زیاد موقع

شناس تھا فوراً پینترا بدل کر کہنے لگا کہ تو نے قتل کیا وہ بولا ہاں۔ ابن زیاد نے کہا فلاں آدمی کو بلاؤ۔ وہ آدمی سمجھا کہ مجھے انعام دینے کے لئے اس کو بلایا جب وہ آیا تو ابن زیاد نے کہا اس آدمی نے خود اقرار کیا ہے کہ میں نے حضرت حسینؓ کو قتل کیا ہے لہٰذا قصاص میں اس کا سر قلم کر دیا جائے۔

چنانچہ مورخین نے رأس الحسین کے بارے ۳۵ اقوال لکھے ہیں اب معلوم نہیں کونسا قول صحیح ہے۔ اہل تاریخ نے بھی تاریخ کو خوب گدلا کیا۔

باندازِ دیگر

حضرت معاویہؓ کا بیٹا یزید مسلمان تھا یا کافر (اصلی یا مرتد) اگر کافر تھا تو اس دور میں جب صحابہ کرام کثیر تعداد میں تھے وہ اپنا فرض سمجھتے ہوئے ایک صحابیؓ بن صحابی کے بیٹے کو سمجھاتے ضد کرتا تو اس کو موافق حکم شرع کے قتل کرتے خاموش نہ رہتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کے بارے فرمایا لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ان صحابہ کرام میں حضرت حسینؓ موجود تھے جن کے متعلق حضرت علیؓ و حسنؓ کے بعد خلافت کا اہل ہونا متوقع تھا ان کا بھی فرض بنتا تھا کہ یزید کو دعوتِ اسلام دیتے اب تاریخ پر ایمان رکھنے والے بتائیں اور صحیح سند کے ساتھ ثقہ راویوں سے ثابت کریں

کہ آپ نے کافر اور منکر الاسلام یزید کو اسلام کی دعوت دی تھی؟ اور اس کے جو شبہات اسلام میں تھے وہ زائل کیے؟ اس کو اس بارے خطوط لکھے؟۔ خطوط سے کام نہ سنورتا نظر آتا تو خود شام میں تشریف لے جاتے اور مشافہۃً اس سے بات کرتے آخر شیر خدا کے بیٹے تھے۔ اگر انہوں نے نہیں سمجھایا تو حسین خود معاذ اللہ مجرم بنتے ہیں جنہوں نے

بلغوا عنی ولو آیۃ پر عمل نہ کیا۔ اگر ان کے کہنے سے نہ سمجھتا تو بڑے بڑے اولوالعلم اولوالعزم صحابہ موجود تھے ان کو اکٹھا کرتے اور ان کے بیانات سے اس کو فائدہ ہوتا اور وہ کفر یا ارتداد سے توبہ کر کے مخلص مسلمان ہو جاتا۔ اگر اس کے کفر وارتداد کا علم ہونے کے باوجود صحابہ نے خاموشی اختیار کی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان الساکت عن الحق شیطان اخرس کے مطابق مع حضرت حسین کے تمام صحابہ کرام مجرم بنتے ہیں پھر اس کافر مرتد واجب القتل کو حسین کی بھتیجی ام محمد (عبداللہ بن جعفر طیار کی بیٹی) یزید کے نکاح میں دینے پر خاموش کیوں رہے کیا ابن شیر خدا ایسے مغلوب ہوتے ہیں۔

پھر صحابہ کی موجودگی میں ۵۲ھ میں یزید کو امیر حج کیوں بنایا گیا۔

نیز اگر یزید مسلمان تھا تو صالح تھا یا فاسق اگر فاسق تھا تو اس کا فسق صحابہ کرامؓ پر ظاہر تھا یا مخفی خاص کر وہ صحابہ جن کی رہائش شام میں تھی اگر فسق ظاہر تھا تو صحابہؓ نے اس کے ہاتھ پر بیعت کیوں کی اگر کہو کہ ڈر گئے تو یہ بات بغض صحابہؓ کی واضح علامت ہے کیونکہ مسلمان صحابہ کرامؓ کے بارے میں کوئی تصور ہی نہیں کر سکتا جو مشرکین اور دیگر کفار کے ساتھ سینہ سپر ہو کر لڑتے رہے جو ہزاروں کی تعداد میں ہوتے تھے کَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللّٰهِ۔ تو ایسے اصحاب صرف ایک بندے سے کیونکر ڈرتے جب کہ ان کا عقیدہ تھا کہ نافع وضار صرف اللہ کی ذات ہے وہی ہے فتح وشکست کا مالک۔ کیا وہ صحابہ پندرھویں صدی ہجری میں حریت پسند کشمیریوں سے بھی گئے گزرے تھے؟ صحابہ کرام کا عزم وجزم تو ضرب المثل ہے۔

اور اگر صحابہؓ سے یزید کا فسق بوقت بیعت مخفی تھا اس کے بعد ظاہر ہوا اور اس کی غیر شرع حرکات پر اطلاع ملی تو ایسی حالت میں حضرت نبی اکرم ﷺ کا فرمان تو یہ ہے کہ

اس کے منکر کام کو منکر سمجھتے رہو۔ مگر ان کے ساتھ قتال نہ کرنا۔ جب تک کہ وہ نماز کے پابند رہیں یعنی مسلمان رہیں۔

ابوذر غفاریؓ فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے بعد امیر مالِ فے میں اپنے کو ترجیح دیں گے مگر تم بجائے تلوار اٹھانے کے اس پر صبر کرنا حتیٰ کہ مجھ سے ملو۔

عوف بن مالک اشجعیؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے شرار ائمہ کے ساتھ عہد شکنی کر کے ان کے ساتھ قتال نہ کرنا جب تک کہ نماز کے پابند رہیں۔

نیز فرمایا جو شخص والی یعنی امیر میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں سے کوئی بات دیکھے تو خود تو اس کو ناپسند ہی سمجھے مگر اس کی اطاعت سے ہاتھ نہ ہٹائے۔

عبادۃ بن صامتؓ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ ہم نے حضرت نبی کریم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی اس شرط پر کہ تم لوگ جب تک اپنے امیر سے صاف کفر نہ دیکھ لیں تو امر خلافت میں اس کے ساتھ نزاع نہ کرو۔

بلکہ یہاں تک آپ ﷺ کی تعلیم ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اطاعتِ امیر سے نکل کر جماعت میں الگ ہو کر مرا تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔

اسی طرح عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ فرمانِ نبوی ﷺ ہے امیر کی اطاعت سے جو ہاتھ کھینچے گا پھر اسی حالت میں مر گیا تو جاہلیت کی موت مرا۔ اور اگر دو مدعی خلافت ہوں اور ان میں سے پہلے کی بیعت مکمل رکھو اس کے بعد دوسرے سے بیعت کی گئی تو اس بیعت کو توڑ دو کیونکہ وہ باغی ہے

اور حضرت عرفجہؓ نے فرمانِ نبوی ﷺ سنایا کہ جو شخص اس امت کے مجتمع امر کو بکھیرنے کا ارادہ کرے تو اس کو تلوار سے ماردو۔ ہو جو بھی ہو

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ فرمانِ نبوی ﷺ ہے جس کے ہاتھ پر بیعت ہو جائے اس کے بعد جو بھی اس کے ساتھ نزاع کرنے آئے تو اس کی گردن اڑادو۔

ان احادیث مبارکہ کو جو مستند اور متواتر ہیں سامنے رکھو پھر تاریخ کی یاوہ گوئی پر نگاہ کریں تو معاذ اللہ وثم معاذ اللہ حضرت حسینؓ کو مجرم اور باغی کہنا پڑے گا جس کے تصور سے مسلمان کا دل کانپ جاتا ہے۔ اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ حضرت حسینؓ جو بڑے پریم میں مکہ شریف رہتے تھے بڑے بڑے اجلاء صحابہ کرامؓ کو ان کی صحبت حاصل تھی 8 ذی الحجہ کی صبح کو حج کی تیاری کرنے کو سوچ رہے تھے کہ بارہ ایک بجے کے قریب اچانک کوفہ کے بلوائیوں نے حضرت حسینؓ کو مع بال بچوں اور ازواج مطہرات کے اغواء کر کے بھگا لے گئے اور واضح حقیقت ہے کہ باوجودیکہ مکہ مکرمہ میں کثیر تعداد میں صحابہ کرام موجود تھے۔ مگر حضرت حسینؓ کے کربلا میں پہنچنے تک ایک صحابی بھی ساتھ نہ تھا۔

اور اس میں کچھ شک نہیں کہ در پردہ رافضی لوگ تمام صحابہ کرامؓ کو کافر سمجھتے ہیں اسی لئے ان کے شاعر کی زبانِ بے لگام سے یہ الفاظ نکلے

اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

حقا کہ بنائے لا الٰہ است حسین

لعنة الله على الكذبين الكافرين المفرقين الامّة المسلمة

اگر کہیں کہ یزید کا فسق صحابہ پر مخفی رہا اگرچہ یزید کے پاس ہی رہتے تھے تو یہ بتلایا

جائے کہ شام سے دور مدینہ کے باشندوں کو اس کے فسق کا کیسے علم ہوا ظاہر ہے کہ وحی کے ذریعے تو علم ہو نہیں سکتا۔ کیونکہ وحی نبیوں پر ہوتی تھی۔ جو نبی اکرم ﷺ کے بعد منقطع ہو گئی۔ ہاں ایک صورت کشف والہام ہے۔ اور کشف والہام کوئی حجتِ قطعیہ نہیں اور اگر کسی کے بتانے سے یزید کا فسق معلوم ہوا۔ تو اس بتانے والے کا فرض تھا کہ اس مدینہ میں اس کے فسق کی خبر پہنچانے سے پہلے وہیں شام کے مقامی باشندوں صحابہ کرام کو بتاتا اور پھر مکہ مدینہ اور دوسرے بلاد میں رہنے والے صحابہ کو کیوں نہ بتایا۔ صرف حضرت حسینؓ کے کانوں میں کانا پھوسی کرنے کی کیا وجہ تھی۔ اور اگر دوسروں کو پہلے بتا دیا تھا اور خروج ضروری تھا تو صرف حسینؓ نے یہ آواز کیوں اٹھائی دوسرے کیوں خاموش بیٹھے رہے۔

اصل بات وہی ہے جو فرمانِ نبوی سب کو یاد تھا اور حضرت حسینؓ نے بھی سن رکھا تھا اسی لئے خاموش رہے نہ مدینہ میں بات چھیڑی اور نہ ہی مکہ میں۔ اس لحاظ سے ہم واشگاف الفاظ میں کہہ سکتے ہیں کہ اگر کتابِ تاریخ میں لکھا ہے کہ حضرت معاویہؓ کے انتقال کے بعد حضرت حسینؓ نے مخالفت شروع کر دی تھی تو یہ غلط اور حضرت حسینؓ پر الزام ہے جس کا ثبوت نہیں مل سکتا اور صحابہ کرام اور حضرت حسینؓ کے کردار کو داغدار بنانے کی ناپاک کوشش ہے۔ ہم قرآن وحدیث کو چھوڑ کر تین صدیوں بعد کی اعاجم مؤرخین کی تاریخ کے کوئی پابند نہیں کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ کا پیارا جنتی نواسہ اور امیر المومنین حضرت علی و فاطمہ رضی اللہ عنہما کا صاحبزادہ فقاہت وعلم کا پتلا رسول اللہ ﷺ کی پیاری تعلیم کو ٹھکرا کر اپنا حکم چلائے۔ اس لئے تمام مؤرخین نے اگرچہ اس بات پر اجماع کر لیا ہو وہ اجماع مردود ہے۔ بلکہ اس اجماع کی حیثیت اس اجماع کی سی ہے جو یہود اور

نصاریٰ کا اجماع ہوا ہے اس بات پر کہ واقعی (معاذ اللہ) عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دے دی گئی اور وہ سارے صلیب دیے جانے پر تواتر کے مدعی ہیں (دیکھو شرح العقائد النسفیہ) اگر یہود و نصاریٰ کے اس جعلی اجماع کی طرح تین صدیوں کے بعد والے مؤرخین کا اجماع مان لیں تو معاذ اللہ حضرت حسینؓ پر الزام عائد ہوگا کہ معاذ اللہ حضرت حسینؓ تعلیم نبوی ﷺ کے خلاف کرتے رہے نیز کوئی من چلا یوں بھی کہہ سکتا ہے کہ معاذ اللہ حضرت حسینؓ خود خلیفہ بننے کے خواہشمند تھے اور خلافت کے خواب دیکھ رہے تھے۔ جس میں وہ کامیاب نہیں ہو سکے۔ جان گنوائی اور خلافت بھی ہاتھ نہ لگی۔ حسرت دل کی دل ہی میں رہ گئی۔

لیکن میرا نظریہ یہ ہے

اور ان شاء اللہ سولہ آنے ٹھیک ہوگا کہ مؤرخین نے اتنا تو لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے والی مکہ کے ہاتھ پر یزید کی بیعت کر لی تھی بالکل اسی طرح حضرت حسینؓ نے بھی والی مکہ کے ہاتھ پر یزید کی بیعت کر لی تھی کیونکہ نبی کریم ﷺ کی تعلیم تھی مَنْ شَذَّ شَذَّ

نیز امر خلافت کوئی معمولی کام نہیں ایسے اہم امر کے لئے مجلسِ شوریٰ بلائی جاتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کی علامات یہ بھی بتائی ہے کہ اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اولوالعزم امام الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک کو حکم دیا ہے وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ یعنی اپنے اصحاب کرام سے مشورہ لے لیا کرو۔ اور ظاہر ہے کہ ان دنوں مکہ معظمہ میں بڑے بڑے اولوالعزم اَعْلَم الدین صحابہ کرام کی جماعت موجود تھی جن کو امورِ خلافت کی بخوبی سمجھ بوجھ تھی۔ جیسے عبداللہ بن عمر۔ عبداللہ بن عباس۔ جابر وغیرہم۔

پھر وہ ہستیاں عمر میں بھی بڑی تھیں جنہوں نے خلافت کے اتار چڑھاؤ سے خوب واقفیت حاصل کر رکھی تھی۔ ایسے اہم کام کیلئے مشورہ لینا ضروری تھا اگر وہ خلافت کے طالب بالفرض ہوتے تو انہوں نے ضرور مشورہ لیا ہوگا اور صحابہؓ نے مشورہ دیا ہوگا اور انہوں نے یہی کہا ہوگا کہ یہ خلافت کا خام خیال چھوڑ دیجیے آپ کے برادر حسنؓ نے خلافت کو لات ماری نیز یہ بھی کہا ہوگا کہ خروج ٹھیک نہیں کیونکہ ایسے حالات میں نبی کریم ﷺ کی تعلیم ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔ مگر ان تمام باتوں کے بتانے سے تاریخ بالکل خاموش ہے حالانکہ یہ بات بہت اہم تھی۔

الحاصل قرآن وحدیث کی رو سے یزید کافر وفاسق نہ تھا

قرآن وسنت سے ہمیں سبق یہی ملتا ہے کہ یزید کافر نہ تھا مسلمان تھا صحابی بن صحابی کا بیٹا پوتا تھا ام المومنین کا بھتیجا تھا۔ حضرت حسینؓ کی بھتیجی اس کی بیوی تھی اگر کوئی بات اتفاق سے غلط صادر ہوگئی تو اصلاح کرنے والے بہت تھے صحابی تو نہ تھے مگر تابعی تھے۔ بڑے بڑے صحابہ نے اس کی بیعت کی اگر کسی مؤرخ نے نہیں لکھا مگر ہمارا دل گواہی دیتا ہے کہ اکابر صحابہؓ کی طرح حضرت حسین نے بھی بیعت کر لی تھی اور جب کوفہ کے بلوائی مکہ آئے تھے اور حضرت حسینؓ کے پاس ان کی آمد ورفت دیکھ کر صحابہؓ کبار سمجھ گئے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ حسینؓ کو لینے آئے ہوں انہوں نے حضرت حسین کو متنبہ کیا اور کہا کہ حسین بھتیجے ! خیال کرنا ان بلوائیوں کے کہنے میں نہ آنا پھر حضرت حسینؓ نے بھی انہیں یقین دلایا کہ چچا جی ! میں ان کی باتوں میں نہیں آتا۔

یہ واقعات صاف گواہ ہیں اس بات کے کہ حضرت حسینؓ نہ تو خلافت کے خواہاں

تھے اور نہ ہی ان بلوائیوں کے ساتھ جانے کے لئے تیار تھے اور ایسے حالات میں اگر بالفرض تیار بھی ہو جاتے تو عورتوں کو بھی ساتھ نہ لے جاتے عورتوں کا اس سفر میں کیا کام خاص کر شیر خوار بچوں اور ان کی ماؤں کو ایسے دور دراز سفر میں لے جانے کو عقل تسلیم نہیں کرتی پھر فوج بھی ساتھ نہیں عورتیں اور معصوم بچے تمام ملا کر کل ۷۲ افراد بنتے ہیں اور حضرت کو یہ بھی پتہ ہے کہ کوفہ والے میرے والد ماجد کے قاتل ہیں وہ میرے محب کیونکر ہو سکتے ہیں پھر ابن زیاد والی کوفہ کی میرے ساتھ چپقلش ہے اس کو میرا علم ہوا تو میرے خلاف ہزاروں یا سیکڑوں کی تعداد میں مسلح فوج بھیج دے گا اور ہماری ٹولی غیر مسلح اور جوان ان میں کوئی بھی نہیں۔ وہاں جا کر مار ہی کھانی ہے لہٰذا میرا وہاں جانا موزوں نہیں پھر خلیفہ وقت یزید ہے اس سے بات چیت کرنی چاہیے خطوط لکھے جائیں یا خود اس سے ملاقات کر کے مذاکرات کرنے مناسب ہیں۔

یہ تمام حالات وضاحت کے ساتھ بتاتے ہیں کہ اعقل الناس نواسۂ رسولؐ ابن شیر خدا کی شان نہ تھی کہ خروج کریں اور وہ بھی بجائے دار الخلافہ شام کے ولایتِ کوفہ کی طرف رُخ کریں۔

ہو نہ ہو رات کے وقت جب کہ سب لوگ سوئے ہوئے تھے بلوائیوں نے موقع پا کر بڑی سیاست کے ساتھ سوچ سمجھ کر راتوں رات اغواء کر لیا۔

نیز حسینؓ کا خروج خلافت حاصل کرنے کے لئے خاص اس موقع پر جب کہ روم فارس یمن وغیرہ دور دراز علاقوں کے لوگ فریضۂ حج ادا کرنے کے لئے حرم پاک میں آ رہے ہیں پھر کل منیٰ پرسوں میدان عرفات میں وقوف ہوگا اور اس وقت دعائیں مانگیں گے پھر مشعر الحرام میں دعا مانگیں گے۔ پھر منیٰ میں رمی جمار کر کے قربانی کریں گے۔ پھر

منیٰ کی طرف رمی جمار کرنے کے لئے احرام کھول کر بیت اللہ شریف کا طوافِ افاضہ کر کے لوٹیں گے۔ان پانچ چھ دنوں میں حج کا ثواب بھی حاصل کر لیتے۔اتنی بھی جلدی کیا تھی۔مگر ایسا نہیں ہوا اس سے بھی عقل مند سمجھ لیتا ہے کہ حضرت حسینؓ دنیا دار قسم کے نہ تھے وہ تو مدینہ چھوڑ کر مکہ معظمہ میں آئے ہی اس غرض کیلئے تھے کہ مکہ شریف میں قیام کروں گا وہیں نمازیں پڑھوں گا۔جس کا ثواب مسجد نبوی میں نماز پڑھنے سے لاکھ گنا زیادہ ہوگا پھر مکہ معظمہ اہل علم اکابر صحابہ کرام کا مرکز ہے ان کی صحبت میں رہ کر قرآن وسنت کے مواعظ سے افادہ استفادہ کا موقعہ ملتا رہیگا۔ایام حج میں حج کرنے کی بھی نعمتِ غیر مترقبہ حاصل کرتا رہوں گا ایسی عالی مقام ہستی کے بارے یہ تصور قائم کرنا کہ بیت اللہ میں نماز پڑھنے سے علماء کرام کی علمی مجالس سے افادہ استفادہ سے اور پھر خاص کر خوش قسمتی سے ایام حج بھی شروع ہو گئے ہیں ان دنوں سے فائدہ حاصل کرنے سے بھی خلافت اہم ہے اگرچہ خروج کے طریقے سے ہو یہ غیر شرعی اور فاسقانہ تصور ہے جو عجمیوں کا خانہ ساز ہے اور خلافت کے نام سے ملوکیت کی طرف ملک کو دھکیلتا ہے۔

حضرت حسینؓ کے ذہن میں عجمی تصور نہ تھا آپؓ فحِ عرب تھے اور دنیا دار نہ تھے ان کا بچپن سے اس وقت تک آخرت سنوارنے میں ذہن رہتا تھا۔اب اسکے سوا اور کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ آپ کو خاص اس وقت میں عورتوں بچوں سمیت اغوا کیا گیا جس وقت آپ حج کی نعمت سے محروم ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے اکابر اصحاب تک کی ملاقات نہ کر سکے۔پھر اتنی تیزی کی کہ دو دن کی منزلیں صرف ایک دن میں طے کر کے بستان بنی عامر میں جادم لیا۔

اب رہا معاملہ یزید کا جس کو شیعہ تو جو کچھ کہتے ہیں وہ کسی سے مخفی نہیں۔ہمارے سنی بھی اس بارے میں شیعہ کے اندھے مقلد ہیں۔

ایک مختلف طریقہ سے

اب میں ایک مختلف طریقہ سے بات کرتا ہوں کہ

1 یزید کے والد ماجد کاتبِ وحی حضرت معاویہؓ۔

2 یزید کے دادا ابوسفیان صخر بن حربؓ جن کو بمع ان کے گھر والوں کے نبی اکرم ﷺ نے امان دی اور یہ بھی صحابی ہیں رضی اللہ عنہ۔

3 یزید کا چچا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما۔

4 یزید کی پھوپھی رملہ ام المومنین حضرت اُم حبیبہ زوجہؓ رسول اللہ ﷺ جو قرآن کی زبان میں اہل بیت میں سے ہیں جیسے ابراہیم علیہ السلام کی بیوی سارہ کو فرشتوں نے اس طرح سلام کہا رحمة الله و بركاته عليكم اهل البيت اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ۔

تو سارا خاندان یزید کا صحابی اور خود یزید تابعی جو ۲۲ھ کو عہد صحابہ میں پیدا ہوا اور اس نے سوائے شیخین (ابوبکر و عمر) اکثر جلیل القدر صحابہ کرامؓ کی صحبت میں رہ کر بہت کچھ حصہ دین کا حاصل کیا یہی وجہ ہے کہ جو صحابہؓ شام کے ملک میں رہتے تھے ان سب نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی اور دوسرے علاقوں میں جو صحابہ کرامؓ تھے انہوں نے وُلاۃ کے ہاتھ پر یزید کی بیعت کی کوئی صحابیؓ ایسا نظر نہیں آتا جس نے یزید کی بیعت نہ کی ہو اگر ہم کہیں کہ حسینؓ نے بیعت نہیں کی تو معاذ اللہ اجماع صحابہؓ کے خلاف کر کے مجرم بنتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

وَمَنْ یُشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَاتَبَیَّنَ لَهُ الْهُدٰی وَیَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰی وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمْ.

ترجمہ جو شخص بعد اس کے کہ اس کو راہ ہدایت معلوم ہو چکی ہے ہمارے اس رسول کی مخالفت کریگا یعنی عقیدہ عمل چھوڑ کر مسلمانوں کی راہ سے الگ دوسری راہ اختیار کریگا تو ہم اس کو اس کے اختیار کردہ راہ کے سپرد کر دیں گے اور آخر کار اس کو جہنم میں جھونکیں گے۔

اور اگر کہیں کہ حسینؓ حق پر تھے کہ یزید کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی تو معلوم ہوا کہ تمام صحابہ جنہوں نے بیعت کی وہ (نعوذ باللہ) کافر ہو گئے اگر یہ بات مان لیں تو اللہ تعالی کی بات جو عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرُ یَعْلَمُ سِرَّ هُمْ ہے (نعوذ باللہ) جھوٹ ثابت ہوتی ہے جس نے قرآن میں فرمایا اُولٰئِکَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لیکن اللہ کی بات تو جھوٹ قطعاً نہیں ہو سکتی وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِیلاً

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِیْثًا پس معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ جو اَلْمُؤْمِنِیْنَ حَقًّا ہیں یزید کی بیعت کر کے کافر نہیں ہوئے نیز معلوم ہوا اور قرآن کی رو سے حضرت حسین نے بھی سبیل المؤمنین سے ہٹ کر غیر سبیل المؤمنین کو اختیار نہیں کیا۔

اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ تاریخ کا بیان اس بارے میں جھوٹ اور افتراء ہے جو صدیوں بعد عجمی سازش تھی۔

کچھ اعتراضات اوران کے جوابات

نیز مخالفین یزید پر کئی طرح کے الزام دھرتے ہیں من جملہ ان کے

1 یہ کہ یزید بے نماز تھا۔ مگر یہ محض الزام ہے کیونکہ اگر یزید بے نماز ہوتا تو صحابہ کرامؓ اس کے اس عمل کو کبھی برداشت نہ کرتے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم پر بعض امراء ایسے ہوں گے جن کے بعض افعال کو تو تم صحیح سمجھو گے اور بعض کو شرع کے خلاف تو جو شخص ان کے خلافِ شرع کو خلافِ شرع ہی سمجھے گا اور بتاتا رہے گا تو وہ مداہنت اور نفاق سے پاک ہے اور اگر ناپسند سمجھے گا تو وہ بھی سالم رہا وزر اور وبال سے لیکن جو شخص ان افعال شنیعہ پر راضی رہا اور ان کے تابع رہا تو وہ گناہ میں اس کا شریک ہے۔ صحابہؓ نے عرض کی کہ کیا ہم اس وقت ان کے ساتھ قتال نہ کریں؟ تو فرمایا نہ جب تک وہ نماز پڑھیں (مشکوۃ صد ۳۱۸) اور یہ بات دوبارہ دہرائی اب اس حدیث کو مدنظر رکھا جائے تو کہنا پڑے گا کہ جو تاریخ کی کتب میں ہے یزید بے نماز تھا یہ غلط ہے کیونکہ اگر یزید کو تاریخ کی بات مان کر بے نماز تسلیم کریں تو صحابہ کرام پر اعتراض ہوتا ہے کہ انہوں نے قتال کیوں نہ کیا۔ اگر وہ بے نماز تھا اور صحابہؓ نے قتال نہ کیا تو تمام صحابہ مجرم ہوئے اور بلوائیوں کا مقصد ہی ہے صحابہؓ کو مجرم قرار دے کر تبرا کرنا۔ نیز تمام صحابہؓ کا اجماع ضلالت پر ہوا جب کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے۔ لا یجتمع امتی علی الضلالۃ اور نبی کا فرمان بلاشک حق اور سچ ہے۔ معلوم ہوا نہ صحابہ کرامؓ مجرم تھے اور نہ ہی یزید بے نماز تھا۔

۲ نیز مخالفین کا یزید پر شراب نوشی کا الزام لگانا بھی غلط ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے ان لم یترکوہ فاقتلوھم (مشکوٰۃ ص ۳۱۸) یعنی اگر لوگ شراب خوری ترک نہ کریں تو ان سے قتال کرو تو اس حدیث کے پیش نظر اگر یزید شرابی ہوتا تو صحابہ کرام اول تو اس کو شراب نوشی سے منع کرتے پھر بھی اگر وہ باز نہ آتا تو صحابہ کرامؓ اس کے ساتھ قتال کرتے لیکن صحابہ کرامؓ نے شراب نوشی کی وجہ سے یزید کے ساتھ قتال نہیں کیا۔ کیا وجہ؟ اس کی دو ہی صورتیں ہوسکتی ہیں۔ یا تو صحابہؓ نے حکمِ رسول ﷺ کی مخالفت کی۔ یا یزید شرابی نہیں تھا لیکن پہلی بات تو غلط ہے جس کا تصور کوئی مسلمان نہیں کرسکتا لہٰذا یہی بات صحیح ہے کہ یزید شرابی نہ تھا۔ بلکہ حدیث شریف سے یہ بات مستنبط ہوتی ہے کہ حضرت حسینؓ نے دوسرے صحابہ کی طرح یزید کی بیعت کی تھی اور حضرت حسینؓ کے ہاتھ پر کسی نے بیعت نہیں لی کیونکہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا من مات ولیس فی عنقه بیعة مات میتة جاھلیة (مشکوٰۃ ص ۳۴۰) اس حدیث کی رو سے اگر آپؓ نے یزید کی بیعت نہیں کی تو کہنا پڑے گا کہ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ آپؓ جاہلیت کی موت مرے۔ لیکن آپؓ کی موت تو شہادت کی تھی اس لئے نتیجہ یہی نکلا کہ آپ کی گردن میں بیعتِ یزید کا ہار تھا۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ یزید بیعت کے قابل تھا اگرچہ اس کا مقام حضرت حسینؓ کے مقام سے بہت ہی کم تھا۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا رہتا ہے کہ مفضول افضل کا امام ہوتا ہے۔ جیسے رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی اقتدا میں نماز پڑھی تھی۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے حضرت امام ابو یوسفؒ کی اقتدا میں نماز پڑھی۔

پھر یزید کے والد حضرت معاویہؓ بھی صحابی تھے اور اسکے دادا دادی بھی صحابی تھے اور اس کی پھوپھی رملہ اُم حبیبہؓ اُم المؤمنین زوجہ مطہرہ حضرت محمد رسول اللہ تھیں اور اسکے حق میں اس کے والد ماجد دعاء کرتے ہوں گے کیونکہ حضرت معاویہؓ کاتب وحی تھے اور عباد الرحمٰن میں سے تھے جو دعا کرتے رہتے تھے رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ۔ اے ہمارے رب ہم کو ہماری بیویوں اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور سب ایسے پابند شریعت ہوں کہ دوسرے اہل تقویٰ بھی ہم سے ہدایت پائیں۔

اور نبی کریم ﷺ نے بھی حضرت معاویہؓ کے حق میں دعا فرمائی تھی۔ اللھم اجعله ھا دیا میھدیا

اللہ تعالیٰ نے بھی ایسے مومنوں کے بارے فرمایا تھا والذین اٰمنو و اتبعتھم ذریتھم بایمان الحقنا بھم ذریتھم وما التنھم من عملِھم من شئ (لفظة الحقنا تقتضی ان للملحق بعض التقصیر فی الاعمال .

(البحر المحیط ص ۱۴۹ ج ۸)

ترجمہ جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے بھی ایمان میں ان کا ساتھ دیا۔ پھر ان کے ساتھ ان کی اولاد کو بھی شامل کر دیں گے اور ہم ان کے عمل میں سے کوئی چیز کم نہ ہونے دیں گے۔ یعنی اولاد کو آباؤ اجداد والے درجے دیں گے اگرچہ عمل میں ان کے کسی قدر قصور بھی ہوا تاہم جنتیوں کے پاس خاطرِ سے ان کی اولاد کو بھی جنت میں ان کے ساتھ لے جا کر شامل کریں گے۔ (ڈپٹی نذیر احمد مترجم)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا (رواہ ابن عباس) ان اللہ یرفع ذریۃ المؤمن

درجۃ وان کانو دونہ لتقر بھم عینہ پھر آپ نے یہی آیت پڑھی بیضاوی ص ۹۹ ج

ایک مشہور اعتراض اور اس کا جواب

میری امت کی ہلاکت چند قریشی لڑکوں کے ہاتھوں ہوگی

(بخاری کتاب الفتن ۵۰۹۔۱۰۵۶) میں ایک حدیث ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ:

هلكة امتى على ايدى غلمة من قريش

ترجمہ میری امت کی ہلاکت چند قریشی لڑکوں کے ہاتھوں ہوگی

کچھ لوگوں نے اس کا مصداق اول یزید کو اور اس کے والیوں کو بتایا بہت سے علماء نے بھی یہاں سے دھوکہ کھایا ہے مگر یہ مراد صحیح معلوم نہیں ہوتی کیونکہ غلمہ جمع ہے غلام کی اور غلام نابالغ لڑکے کو کہتے ہیں۔ اور یزید پر غلام کا لفظ صادق نہیں آتا۔

کیونکہ جب یزید والی ہوا اس وقت اس کی عمر تقریباً ۳۸ سال تھی اور اس وقت وہ زمانہ کہولت کے قریب تھا۔ بلکہ اس کے مصداق وہ چھوکرے ہیں جو خلافت عباسیہ میں تخت خلافت پر بیٹھائے گئے تھے اور اسی طرح ایک لڑکا بنوامیہ میں سے تھا۔

جو ۱۱۳۳ء ۵۲۸ھ مغرب میں قائم شدہ خلافت کا آخری حکمران ہشام بن حکم کا نابالغ بچہ تھا دیکھو (تذکرہ مشائخ قادریہ ۹۹)

اور باقی بغداد میں عباسی خاندان کی خلافت رہی چنانچہ ۵۲۵ھ ابو علی آمر کے

بیٹے طیب کو حکمران بنایا گیا جو ۵ سال کا بچہ تھا۔ (حقیقت مذہب شیعہ ۴۱۷ و ۴۳۹)

پھر محرم ۵۴۹ میں نصیر الدین عباسی نے ظافر عبیدی کو قتل کر کے اس کے بیٹے عیسیٰ کو گود میں اٹھا کر لایا اور فائز بنصر اللہ کے لقب سے تخت پر بٹھایا۔ (حقیقت مذہب شیعہ ص ۴۳۹) ۵۵۵ھ میں فائز بنصر اللہ مر گیا وزیر السلطنت صالح نے حکم دیا کہ شاہی خاندان کے لڑکوں کو پیش کیا جائے چنانچہ ابو محمد بن عبد اللہ بن یوسف بن حافظ عبیدی کو منتخب کر کے عاضد الدین کے لقب سے تخت نشین کیا ۴۲۴ھ میں ۴ سالہ ولی عہد کی سواری نکلی۔ تمام بازار اراستہ کیا گیا اور لوگ زمین بوس ہوئے۔

۱۵ شعبان ۴۲۷ میں المستنصر باللہ (مولود ۶ جمادی الاخری ۴۲۰) سات سال ۲ ماہ کی عمر میں خلیفہ بنایا گیا۔

۲۳ ربیع الاول ۳۷۵ھ میں الحاکم بامر اللہ پیدا ہوا آٹھ سال کی عمر میں اس کی خلافت کا اعلان ہوا۔ ۱۱ سال ۵ ماہ ۶ دن خلیفہ رہا ۳۵۷ھ میں ملک کا فور فوت ہوا پھر کئی گورنر کم سن اور نااہل گزرے۔

۳۸۶ھ میں منصور بن یوسف بلکین فوت ہوا پھر اس کا بیٹا باحکام اللہ بارہ سالہ بادیس مغرب کا والی مقرر ہوا۔

۴۹۵ھ میں المستعلی احمد کا پانچ سالہ بیٹا الآمر ماحکام بادشاہ ہوا لاولد رہا پھر ۵۲۴ھ میں قتل ہوا۔

ابوالحسن ابو معد الظاہر لاعزاز دین اللہ (مولود ۸ رمضان ۴۱۱ء سولہ سال کی عمر میں خلیفہ بنا اور اس کی پھوپھی ست الملک اور اس کی ہمشیرہ اس کو مشورہ دیتی تھیں۔ اس کے دور حکومت میں شراب خوری کی عام اجازت تھی لہو ولعب عام تھا ملک میں سخت گرانی تھی لوٹ

مار عام بیماریوں کا زور۔لوگ شاہی محل کے گرد الجوع الجوع کرتے گائے کی قیمت ۵۰ دینار

مصر میں پانی کی سطح کم۔

شاہ ایران شاہ اسماعیل ۹۰۷ھ ۱۳ برس کی عمر میں بادشاہ بنا اس کے دور حکومت

میں جو شخص شیعہ مذہب اختیانہ کرتا اس کے لیے قتل کا حکم جاری کر دیا جاتا تھا

(کتاب اصلاح شیعہ ۱۲۸)۔

بیجا پور کے حکمران علی عادل بادشاہ کا بھتیجا بعمر ۹ سال وارث تخت ہوا اور چاند بی

بی اس کی نگران مقرر ہوئی (عورت کی سربراہی ۶۲)۔

۴۲۶ھ میں معد بن ظاہر ۸ ماہ کی عمر میں خلیفہ بنایا گیا جبکہ ظاہر ۱۵ شعبان ۴۲۷ھ

میں بعمر ۳۲ سال مر گیا۔

امام ذہبی کے ارشادات

﴿۱﴾ یزید ایک ایسا حکمران ہے کہ نہ تو ہم اس سے محبت کرتے ہیں نہ برا بھلا کہتے ہیں خلفاء بنو امیہ اور بنو عباس میں اس جیسے بہت سے خلفاء گزرے ہیں۔ اسی طرح دوسرے خطوں میں بہت سے حکمران گزرے ہیں بلکہ ان میں سے بہت ایسے تھے جو امیر یزید کے مقابلہ میں کہیں زیادہ خرابیوں کا شکار تھے۔ امیر یزید کو ایک اعزاز یہ حاصل ہے کہ وہ حضور اقدس ﷺ کے ۴۹ برس بعد ولی عہد ہو گئے (صحیح روایت کے مطابق یہ ولی عہدی قریباً ۵۶ برس بعد ہوئی) اس اعتبار سے اس کا زمانہ نبوت کے قریب ہے۔ اس وقت بہت سے صحابہ کرام موجود تھے جیسے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جو حکومت کے یزید ہی نہیں اس کے باپ دادا سے بھی زیادہ مستحق تھے۔

﴿۲﴾ امیر یزید کی خوبیوں اور کمالات میں ایک بڑی نیکی غزوہ قسطنطنیہ ہے کہ امیر یزید اس لشکر کے سپہ سالار تھے اور اس میں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ جیسے حضرات شامل تھے۔

(سیر اعلام النبلا جلد ۴ ص ۳۶)

﴿۳﴾ شباک بن عائذ القسی اپنے قبیلہ کے بزرگوں سے ایک وفد کا ذکر کرتے ہیں جو امیر یزید کے پاس آیا تو امیر کی جانب سے ایک منادی نے پوچھا کہ اہل بصرہ کا وفد کہاں ہے؟ وہ سامنے آیا تو اس نے کہا امیر المومنین نے تمہارے لئے فلاں فلاں مراعات کا اعلان کیا پھر دوبارہ اہل بصرہ کو آواز دے کر مزید مراعات کا اعلان کیا۔ اہل بصرہ نے اپنی مخصوص سرشت کے مطابق چہ میگوئیاں کیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ امیر پاس بیٹھا پردہ میں شراب نوشی میں مشغول ہے اللہ کی شان اسی وقت ہوا کا تیز جھونکا آیا

جس سے پردہ اٹھ گیا تو سب نے دیکھا کہ امیر وہاں بیٹھے قرآن مجید کی تلاوت دیکھ کر کر رہے ہیں۔ (تاریخ کبیر جلد ۴ ص ۲۷۰)

العلامہ محمد کرد علی

جب ہم ان بہت سی باتوں پر غور کرتے ہیں جو یزید بن معاویہ کے متعلق بعض لوگوں جیسے مسعودی وغیرہ نے کہیں ہیں۔تو تاریخی حقائق ان کی تصدیق نہیں کرتے کیونکہ ایسے حضرات نے دانستہ رفض وسبائیت کی خدمت کی۔ایسی خدمت جس کا توڑ ثقہ مورخ حضرات نے کیا۔ (کنوز الاجداد ص ۱۰۸)

المورخ ابن کثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ

ابن عساکر نے یزید کی مذمت میں بہت سی احادیث نقل کیں یہ سب کی سب موضوع ہیں۔ان میں سے کوئی چیز بھی صحیح نہیں ہم نے ان تمام روایات کا ضعیف اور منقطع ہونا ثابت کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (البدایۃ والنہایہ جلد ۸ ص ۲۳۱)

یزید اور روایتِ حدیث

ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

یزید نے اپنے والد گرامی سے حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا

"مَنْ یُرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا ا یُفَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ "

ترجمہ: اللہ تعالیٰ جس بندے کے حق میں خیر و بھلائی کا ارادہ کرتے ہیں اسے دین کی سمجھ عطاء فرمادیتے ہیں"

دوسری حدیث وضو کے ضمن میں آتی ہے جسے یزید سے ان کے فرزند جناب خالد بن یزید اور عبدالملک بن مروان نے روایت کیا۔ اس کو امام ابوزرعہ دمشقی نے ذکر کیا جو اس طبقہ کے فرد ہیں جس کا زمانہ صحابہ سے ملا ہوا ہے (تابعین کا طبقہ) اس روایت کا درجہ بہت بلند ہے اور امام ابوزرعہ فرماتے ہیں کہ ." یزید سے اور بھی روایات منقول ہیں"

غلافِ کعبہ

خلافت پر متمکن ہونے کے بعد امیر المؤمنین یزید ہر سال باقاعدہ اپنی طرف سے ایک امیر حج مقرر کرتے جو مناسک حج ادا کراتے تھے۔ خلفاء اسلام میں آپ پہلے خلیفہ ہیں جنہوں نے سب سے پہلے دیبائے خسروی کا بیش بہا غلاف خانہ کعبہ پر چڑھایا۔

(تاریخ الکعبۃ المعظمہ ص ۲۷۱ و فتوح البلدان بلاذری ص ۷۳)

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ کا فتویٰ

ڈاکٹر صلاح الدین المنجد نے اپنے رسالہ "یزید بن معاویہ" (شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی تحقیق کے مطابق) کے ص ۲۳ پر لکھا ہے کہ امام غزالی سے سوال کیا گیا کہ جو لوگ یزید پر لعنت کو جائز کہتے ہیں وہ کس حد تک درست ہے۔ آیا وہ فاسق تھا اور یہ کہ ایسا کرنے کی اجازت ہے؟ اور یہ کہ وہ سیّدنا حسینؓ کو شہید کرنے کا ارادہ رکھتا تھا یا اس کا مقصد محض دفاع تھا اور یہ کہ اس پر رحم کی دعا کرنا کیسا ہے یا خاموشی اختیار کی جائے؟

امام غزالی نے جواب میں فرمایا

کسی مسلمان پر لعنت بھیجنا کسی طرح جائز نہیں اور جو ایسا کرے وہ خود ملعون ہے۔ جناب رسالت مآب ﷺ کا ارشاد ہے کہ " مسلمان لعنت کرنے والا نہیں " اور سوال یہ ہے کہ مسلمان پر لعنت کرنا کیونکر جائز ہے جبکہ اسلام میں تو چوپایوں پر بھی لعنت جائز نہیں اور اس سلسلہ میں باقاعدہ ممانعت آئی ہے۔ اور مسلمان کی عزت واحترام تو کعبہ سے بڑھ کر ہے۔ اس سلسلہ میں نبی ﷺ کا واضح ارشاد موجود ہے۔

یزید کا مسلمان ہونا ثابت شدہ حقیقت ہے۔

جبکہ یہ قطعاً ثابت نہیں کہ قتل حسین میں اس کا حصہ ہے نہ اس نے ایسا کیا نہ اس کا حکم دیا نہ وہ اس سے خوش تھا۔

صحیح بات یہ ہے کہ اس قسم کی کوئی نسبت اس کی طرف مشکوک ہے اور اس کا گمان کرنا بھی صحیح نہیں کیونکہ ایک مسلمان سے بدگمانی حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

" بدگمانیوں سے بچو بلاشبہ بدگمانی گناہ کا کام ہے "

اور نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے۔

" اللہ تعالیٰ نے مسلم کا خون، مال وعزت کو دوسرے کے لئے حرام قرار دیا اور اس بات کو بھی کہ اس کے معاملہ میں بدگمانی سے کام لیا جائے۔

جس کا یہ خیال ہے کہ شہادتِ حسین کا حکم یزید نے دیا یا اس سے وہ راضی تھا تو مناسب ہوگا کہ وہ اس کی انتہائی درجہ میں تحقیق کرے۔ کیونکہ اگر کوئی شخص اپنے دور کے کسی حکمران وزیر یا بڑے آدمی کے متعلق جاننا چاہے کہ کسی کے قتل وغیرہ میں اس کا کتنا حصہ ہے تو اس کا معلوم کرنا مشکل ہوگا اگرچہ وہ قتل اس کے پڑوس میں ہوا ہو اور وہ اس کا گواہ بھی ہو۔ پھر جو بات بہت پہلے کی ہے اور جس پر زمانہ گزر چکا اس کا فیصلہ کس طرح ممکن ہے؟ ہمارے دور سے ۴ سو برس قبل جو ہوا اس کا فیصلہ کیسے ہو سکتا ہے؟

اس قصہ کے معاملہ میں حد درجہ تعصب برتا گیا دونوں طرف بہت کچھ گھڑا گیا اس لئے حقیقت کا پہچاننا بہت مشکل ہے اور جب حقیقت کی معرفت مشکل ہے تو ہر مسلمان سے حسن ظن لازم ہے اور یہ ایسی بات ہے جس کا ممکن ہونا آسان ہے اور اگر ثابت بھی ہو جائے کہ اس نے کسی مسلمان کو قتل کیا تو پھر بھی اہل حق کا مذہب یہ ہے کہ اس سے کافر نہیں ہوتا۔ زیادہ سے زیادہ یہ گناہ کی بات ہے اور اس پر لعنت درست نہیں چہ جائے کہ قاتل مسلمان پر لعنت کی جائے جبکہ اس کی توبہ کا احتمال ہو اور ہم یہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ حضرت حسینؓ کے قاتل نے مرنے سے قبل توبہ کی ہو اور اس کی توبہ مقبول نہ ہوئی ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

" اللہ کی ذات وہ ہے جو اپنے بندوں کی توبہ بہر نوع قبول کرتی ہے "

اس لئے جو مسلمان مر گیا اس پر لعنت درست نہیں اور جس نے لعنت کی

وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے والا ہے اور اگر کسی پر لعنت جائز ہو اور جواز کے

باوجود کوئی ایسا نہ کرے تو امت کے اجماع کے مطابق وہ گنہگار نہیں ہوتا بلکہ اگر کوئی شخص

ابلیس جیسے ملعون پر مدۃ العمر لعنت نہ کرے تو اس سے قیامت کے دن نہیں کہا جائے گا کہ تم

نے ابلیس پر لعنت کیوں نہ کی؟

اور کسی پر لعنت کرنے والے سے ضرور سوال ہوگا کہ تم نے لعنت کیوں کی اور

تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ فلاں ملعون و مطرود ہے؟

ملعون اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا ہے اور یہ بات کہ کوئی اللہ تعالیٰ سے دور ہے ایک مخفی

امر ہے ہاں البتہ کسی کا کفر پر مرنا واضح ہو پھر الگ بات ہے یہ بات شرعی ضابطوں سے

معلوم ہوتی ہے۔

رہ گئی یزید کے لئے رحم کی دعا تو یہ جائز ہے بلکہ مستحب ہے کیونکہ یہ بات ہماری ہر

دعا کا حصہ ہے جب ہم دعا کرتے ہیں

"اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ"

تو چونکہ وہ مومن ہے اس لئے وہ بھی اس دعا میں شامل ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم،،،،،،،

کتبہ الغزالی

خلاصۃ الکلام

آج کے اس جدید دور میں جبکہ عالمی تحقیق وتدفین انتہائی عروج پر پہنچ گئی ہے۔ ہماری تواریخ وروایات کے راوی ابھی تک ہمارے دِل ودماغ پر سوار ہیں اور قوم کو جہالت کے گڑھے میں دبائے رکھنے پر مُصِر ہیں۔ لیکن نئی نسل میں جدید علوم اور سائنس کی ترقی سے افکارِنو کا دور دورہ ہے۔ اور وہ پرانی تنگ نظری۔ اندھی تقلید اور نقالی کو جھٹک کر اپنی سوجھ بوجھ سے کام لینے کے عادی ہو رہیں جو اس بات کا ثبوت ہے کہ اب قوم بیدار ہو رہی ہے۔ ہمارے نوجوان اب نقد ونظر کے آلاتِ جدیدہ سے آراستہ ہیں اور وہ محسوس کرتے ہیں کہ ملت تقریباً ان چودہ سوسالہ بے معنی و بے مقصد اختلافات سے تنگ آچکی ہے۔ اور اب وہ بغاوت پر آمادہ ہیں۔ فضاء میں۔ ادب میں۔ آفاق میں۔ صنعت اور معاشرے میں وحدت نسلِ انسانی کا تصور رواں دواں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب لکیر کے فقیر اور اندھی تقلید کے علمبردار، واعظوں، ذاکروں اور خطیبوں سے (جن کے واعظوں میں نفرت، اقوال میں بغض وعناد اور اعمال میں تفرقہ بازی ہے) دور ہوتے جاتے ہیں۔ اور انسانیت کا کارواں ایک ایسی منزل کی طرف روانہ ہے جہاں صرف اللہ تعالیٰ کی حکومت ہوگی۔ وحی کی روشنی ہوگی۔ شاہراہوں پر نور وضیاء کے بڑے بڑے قمقمے نصب ہونگے۔ نیکی اور بدی کے امتیازی نشان لگے ہونگے۔ اور اپنی اپنی فلاح و بہبود کے راستے کھلے ہونگے۔ کسی کے پھسلنے کا امکان نہ رہے گا اور ہر ساز سے ایک ہی صدا بلند ہو رہی ہوگی کہ

محمد رسول اللہ ﷺ نے اسی منزل کا پتہ دیا تھا کہ نسلِ انسانی ایک گھرانا ہے

یہ پہلا سبق تھا کتابِ ہُدیٰ کا — کہ ساری خدائی ہے کنبہ خُدا کا (حالی)

اگر ہم اپنے جھگڑوں کو ہندوستانی برہمنوں کی طرح لے کر بیٹھ جائیں تو پھر دنیا کے باقی کام دھرے کے دھرے رہ جائیں گے اور زندگی کا یہ سارا کا سارا تانا بانا ہی ختم ہو جائے گا۔ لہٰذا ہمارا بھلا اسی میں ہے کہ ہم مسلمین (خدا کے فرمانبردار بندے) ہونے کی حیثیت سے اور قرآن پر ایمان رکھنے کی بناء پر بطیب خاطر اس کے فیصلے کے سامنے جھک جائیں۔ کیونکہ وحی الٰہی کی روشنی کے بغیر انسانی عقل اندھی ہے اور منشائے ربانی کی اطاعت کے بغیر ہمارے فیصلے ہرگز صحیح نہیں ہو سکتے۔

ہمیں یہ تسلیم کر لینے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں ہونی چاہیے کہ امام منافی الدین حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور یزید کے بارے میں تاریخ ہماری صحیح رہنمائی نہیں کرتی اس لئے محض بداندیشی اگلوں کے نوشتوں پر ظن و تخمین کی پیروی گمراہی کا موجب اور ہمارے لئے گناہوں کے ارتکاب کا سبب ہو سکتی ہے۔ لہٰذا ہمیں اس ذمہ داری سے بچنا چاہیے اور ذہن میں یہ خیال رکھنا چاہیے کہ اگر ہم یزید کو لعنت کرتے ہیں تو یہ لعنت یزید کی بیعت کرنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین سب پر ہوتی ہے۔ (والعیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ)

اور ویسے بھی حضرت حسینؓ و یزید ہمارے اعمال کے ذمہ دار ہیں اور نہ ہم ان کے اعمال کے ذمہ دار ہیں۔ وہ دونوں اپنے اپنے اعمال کے خود ذمہ دار ہونگے اور ہم اپنے اپنے اعمال کے ذمہ دار ہونگے۔

تِلْکَ اُمَّۃٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ. (القرآن)

قیامت کو ان کے اعمال کی پرسش ہم سے ہرگز نہیں ہوگی اس لئے ہمیں ان کی فکر کرنے کی ضرورت نہ کرنی چاہیے بلکہ صرف اپنے اقوال و اعمال پر نظر رکھنی چاہیے۔

ہاں اگر ہم من گھڑت تاریخ کو تاریخی حقائق کا نام دے کر یزید اور یزید کی آڑ میں

صحابہ کرامؓ ، تابعین وتبع تابعین پر لعنت بھیجتے رہے تو ہم سے قیامت کے دن ضرور سوال ہو گا۔ کہ تم نے قرآن وحدیث کو چھوڑ کر جھوٹی تاریخ سے میرے صحابہ پر یزید کی آڑ میں لعنت بھیجی اور ہو سکتا ہے کہ ہم پر جنت کی دروازے بند کر دیے جائیں۔ اور اس دن نہ تو ہمارا کوئی سفارشی ہوگا اور نہ ہی مددگار۔

ہم کو ان کے اچھے یا برے اعمال کی جانچ پڑتال کے لئے کسی نے جج مقرر نہیں کیا۔ نہ ہم اُن پر حاکم ہیں۔ وہ بہر حال ہم سے بہت ہی بہتر تھا اور ان کے معاملے کا خدا تعالیٰ ہی مالک ومختار ہے۔

گذشتہ بزرگوں اور علماء کے متعلق اپنے اپنے ظن وتخمین میں اٹکے رہنے کی بجائے قرآن کا یہ فاصلہ ہر وقت مدِّ نظر رکھنا چاہیے۔

تِلْکَ اُمَّةٌ قَدْخَلَتْ لَهَامَا کَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ. (القرآن)

یعنی وہ ایک اُمت تھی جو گزر گئی ان کے اعمال ان کے ساتھ اور تمہارے اعمال تمہارے ساتھ اور تم سے ان کے اعمال کے متعلق پوچھا ہی نہیں جائیگا۔

مبارک ہیں وہ لوگ جو صرف اپنے ہی اعمال واقوال کا محاسبہ کرتے رہتے ہیں۔ اور اپنے اعمال کے نتائج بھگتنے سے کبھی غافل نہیں رہتے

والسلام

سیّد محمد حسین نیلوی غفرلہ

۲۷ ذی الحج ۱۴۲۴ھ

الفرق بین علم التاریخ وعلم الحدیث

(۱) علم حدیث منسوب ہے امام الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف
اور علم تاریخ منسوب نہیں کسی نبی یا صحابی کی طرف۔

(۲) علم حدیث کے حاملین اولین نبی کریم ﷺ کے براہ راست شاگرد ہیں جو پاک طینت صالح اور صحبتِ نبی ﷺ سے مشرف اور متخلق باخلاقہ تھے۔
علم تاریخ کے حاملین، اولین، سلف صالحین، کے بعد یہود، و، نصاریٰ، کفار، یا ان سے متاثر لوگ اصحاب الھوٰی اور بے دین لوگ تھے۔

(۳) علم حدیث مستند ہے جس کی سند صاحبِ کتاب سے حضرت نبی کریم ﷺ تک یا صحابہ یا تابعین یا تبع تابعین تک پہنچتی ہے
علم تاریخ میں اول تو سند ہی نہیں ہوتی۔ اگر سند ہو بھی ہو تو اس میں راوی کذاب منکر مجہول اصحاب الھوٰی سبھی ہوتے ہیں۔

(۴) علم حدیث میں خوب کوشش اور محنت سے کام لیا گیا ہے رواۃ کے حالات پر مکمل اور ٹھوس بحث کی گئی ہے تاکہ صحیح وسقیم میں امتیاز کیا جاسکے۔
علم تاریخ میں ہر کہہ مہ کی بات کو لیا گیا ہے۔

(۵) علم حدیث اصول شرع میں سے ایک اصل ہے جس پر عمل کرنا واجب ہے اگر صحیح معیار پر اترے تو قرآن مجید کے بعد اس کا درجہ ہے
اور علم تاریخ اصول شرع میں سے نہیں ہے اسی لئے کسی مجتہد نے تاریخ سے کوئی مسئلہ مستنبط نہیں کیا۔

(۶) علم حدیث کا منکر کافر ہے

علم تاریخ کا منکر کافر نہیں ہے

(۷) علم حدیث کے حاملین کو محدث کہتے ہیں

علم تاریخ کے حاملین کو مؤرخ یا اخباری کہتے ہیں

(۸) علم حدیث کی کتب کو بے وضو ہاتھ لگانا مکروہ ہے

علم تاریخ کی کتب کو بے وضو ہاتھ لگانا جائز ہے

(۹) علم حدیث سے غرض عمل واصلاحِ حال وتحصیل سعادتِ ابدیہ ہے

علم تاریخ سے غرض محض معلومات حاصل کرنا۔ اور عبرت لینا امم سابقہ سے

(۱۰) علم حدیث وتاریخ کا باہم تعارض آجائے تو علم حدیث میں ثابت شدہ بات کو لیں گے اور تاریخ سے ثابت شدہ بات کو رد کردیں گے۔

(۱۱) علم حدیث کی کتابت وجمع وتدوین کا اہتمام عہد تابعین ہی میں پہلے پہلے حضرت عمر بن عبدالعزیز سے ہوا تھا۔

علم تاریخ کی کتابت وجمع وتدوین خلفاء عباسیہ کے دور میں ہوئی جب کہ دوسرے علوم کے تراجم بھی ہونے لگے تھے جیسے کتب فلسفہ وغیرہ

(۱۲) علم حدیث پڑھنے کا مقصد نیک عمل اور ثواب کا حصول ہے

علم تاریخ پڑھنے کا یہ مقصد نہیں ہوتا

(۱۳) علم حدیث کے مؤلفین مسلم علماء صلحاء قرآن وحدیث کے ماہر تھے

اور علم تاریخ کے اکثر مؤلفین یہود ونصاریٰ مجوس ودیگر غیر مسلموں کا گروہ ہے جن کا نہ تو قرآن وسنت سے کچھ تعلق اور نہ تاریخ وجغرافیہ سے۔

ضمیمہ

شیعہ کے سوالات اوران کے جوابات

باسمہ سبحٰنہ وتعالیٰ

الحمد للہ رب العٰلمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد وعلیٰ الہ و اصحابہ واھل بیتہ و ذریاتہ و محبیہ وناصر یہ و مشیدی دینہٖ و مؤید یہ واولیاءہ واحبائہ و اودائہ اجمعین . امابعد

مرکز تحقیقات اسلامیہ سرگودھا کی طرف سے لکھا ہوا ایک مضمون بندہ کو موصول ہوا جس میں کسی اہلسنت والجماعت کے شخص نے شیعہ سے متفرق سوالات کئے تھے کہ ان کے جوابات قرآن وسنت کی روشنی میں دیں۔ چنانچہ اہل تشیع کے مرکز کی طرف سے ان کے جوابات موصول ہوئے۔

ہمارے بعض علماء واحباب نے مجھ سے کہا کہ آپ ان کے جوابات قرآن وسنت کے حوالہ جات سے لکھ دیں۔ تاکہ سائل کو دیدیں۔ اور اسکی تشفی ہو جائے۔ چنانچہ بندہ نے یہ مضمون لکھا تھا۔ اب عام لوگوں کے فائدہ کیلئے اس کو شائع کیا جارہا ہے تاکہ تمام اہلسنت و الجماعت کو اصل صورتِ حال سے آگاہی ہو۔ اور تاریخ پر یقین کرنے والوں کو یہ بھی معلوم ہو کہ قرآن وسنت کے مطابق حضرات صحابہ کرام نے خلافت کو کیا جانا۔ اور اس پر کیسے عمل کیا۔ اور حضرت امام حسین اور ان کے خاندان کے افراد کے ساتھ کیا حالات پیش آئے۔ اور ان کا موقف خلافت کے متعلق کیا تھا۔

سائل نے سوال کیا تھا کہ

سوال۔ شیعہ کے نزدیک توحید اور رسالت کی طرح امامت وخلافت اصولِ دین ہے اور اصول دین کا منکر کافر مرتد ہے۔ تو جب توحید لا الٰہ الا اللہ اور رسالت مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ سورۂ فتح پارہ نمبر ۲۶ میں نصوص صریحہ کے ساتھ صاف موجود ہے

تو اب شیعہ "علی ولی اللہ خلیفۂ بلا فصل" سے لے کر بقایا "گیارہ" ائمہ کی امامت مع اسماء قرآن سے ثابت کریں۔

اس تین سطری سوال کا جواب مرکز تحقیقات اسلامیہ بلاک نمبر ۲ سرگودھا کی طرف سے تیرہ لمبے صفحوں میں لکھا ہوا موصول ہوا جس کے نیچے مجیب کا نام ندارد۔ معلوم نہیں کہ کس نے یہ جواب لکھا ہے۔ لکھنے والا کوئی ذمہ دار آدمی ہے بھی یا نہیں۔

سوال صرف یہی تھا کہ جب مسئلہ توحید جو مسلمہ اصول دین ہے قرآن مجید میں بڑی وضاحت سے اور بار بار مختلف انداز کے ساتھ مذکور ہے جو مندرجہ ذیل ہیں۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔

لَاتَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهاً اٰخَرَ۔

قُلْ اِنَّمَا اَدْعُوْرَبِّیْ وَلَا اُشْرِکُ بِهٖ اَحداً۔

فَلا تَجْعَلُوْ اللّٰهِ اَنْدَادًا۔

وغیر ذٰلک من الاٰیات القرانیہ اور یہ آیات اپنے مطلب میں اس قدر واضح ہیں کہ ان کے لئے حدیثی تشریح کی بھی کچھ ضرورت نہیں۔

اور جب مسئلہ رسالت جو مسلمہ اصولِ دین میں سے ہے وہ بھی قرآن مجید میں

بلوری وضاحت سے موجود ہے مثلاً

محمد رسول اللہ ﷺ۔

قل یا یھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا۔

وما ارسلناک الا کافۃ للناس بشیرا ونذیرا ۔

وارسلناک للناس رسولا (وغیرھامن الأیات)

اور جب معاد اور قیامت جو مسلمہ اصول دین سے ہے قرآن مجید میں بڑی

صراحت کے ساتھ مذکور ہے مثال کے طور پر

قُلْ بَلٰی وَرَبِّیْ لَتُبْعَثُنَّ ۔

ثُمَّ اِنَّکُمْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ تُبْعَثُوْنَ ۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰہِ جَھْدَ اَیْمَانِھِمْ لَا یَبْعَثُ اللّٰہُ مَنْ یَّمُوْتُ بلیٰ وعدًا

علیہ حَقًّا ۔

لَیَجْمَعَنَّکُمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ لَارَیْبَ فِیْہِ ۔

قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ لَمَجْمُوْعُوْنَ اِلٰی مِیْقَاتِ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۔

فَذَرْھُمْ یَخُوْضُوْا وَ یَلْعَبُوْا حَتّٰی یُلَاقُوْا یَوْمَھُمُ الَّذِیْ یُوْعَدُوْنَ یَوْمَ

یَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا ۔

وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَاِذَاھُمْ مِنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰی رَبِّھِمْ یَنْسِلُوْنَ (الأیہ.)

(وغیرھا من الأیات القرآنیۃ)اور یہ آیات بھی اپنے مطلب میں اس قدر صریح ہیں

کہ ان کے لئے کسی حدیثی تشریح کی کچھ ضرورت نہیں۔

اب یہ مسئلہ امامت وخلافت کا قرآن شریف میں پوری وضاحت کے ساتھ کیوں

نہ بیان کیا گیا مثلاً یوں فرمایا ہوتا عَلِیٌّ وَصِیُّ رَسُوْلِ اللّٰہِ ۔ یَا عَلِیُّ اَنْتَ خَلِیْفَۃُ رَسُوْلِ اللّٰہِ بِلَا فَصْلٍ ۔ یا اطیعوا الائمۃ الاثنا عشر اماماً من ولد فاطمۃ الحسن و الحسین و علیا ومحمدا وجعفر او موسیٰ کاظم والرضا والتقی والنقی والعسکری ومحمدا فانھم ھم الائمۃ المھدیون وجب علی الناس کافۃ اطاعتھم ومن لم یطعھم فاولئک ھم الکافرون حقا واعتدنا للکافرین عذابا مھینا

تو ہمیں مجبوراً حدیث کی طرف رجوع کرنا پڑا۔

مگر مجیب نے ۱۳ صفحے تو کالے کر دیے مگر بیچارے سائل کا گھر پورا نہیں ہوا کیونکہ اس کا سوال صرف اس قدر تھا کہ علی ولی اللہ خلیفہ بلافصل جو شیعہ کا عقیدہ ہے صریح عبارت قرآن سے دکھادیں اور گیارہ اماموں کی امامت نام بنام قرآن مجید سے ثابت کریں۔ سو مطلب سائل کا حل نہ ہو سکا۔ سائل بیچارہ اور زیادہ الجھنوں میں پھنس گیا۔ کیا اچھا ہوتا کہ مجیب مجہول الاسم والحال قرآن شریف سے بارہ اماموں کے نام دکھا دیتے مگر جیسے مجیب صاحب خود مجہول الاسم والحال ہیں کہ اپنا نام بھی انہوں نے صراحت کے ساتھ نہیں بتایا اور نہ اپنا حال بتایا ایسے ہی متقدمین شیعوں نے قرآن مجید کے ذمے یہ عیب لگایا کہ امامت وخلافت کے مسئلہ کو جہالت میں رکھا اور کسی مصلحت سے اس کو صیغہ راز میں رکھا صاف صاف صراحت کے ساتھ ذکر نہیں کیا جیسے اصول کافی مطبوعہ لکھنؤ ص ۴۸۷ میں ہے قال ابو جعفر علیہ السلام ولایۃ اللہ اسرھا الیٰ جبریل و اسرھا جبریل الی محمد صلی اللہ علیہ والہ واسرھا محمد الی علی علیہ السلام واسر

بلوری وضاحت سے موجود ہے مثلاً

محمد رسول اللہ ﷺ -

قل یا یھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا۔

وما ارسلناک الا کافۃ للناس بشیرا ونذیرا۔

وارسلناک للناس رسولا (وغیرھامن الأیات)

اور جب معاد اور قیامت جو مسلمہ اصول دین سے ہے قرآن مجید میں بڑی صراحت کے ساتھ مذکور ہے مثال کے طور پر

قُلْ بَلٰی وَرَبِّیْ لَتُبْعَثُنَّ .

ثُمَّ اِنَّکُمْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ تُبْعَثُوْنَ .

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰہِ جَھْدَ اَیْمَانِھِمْ لَا یَبْعَثُ اللّٰہُ مَنْ یَمُوْتُ بلیٰ وعدًا علیه حَقًّا .

لَیَجْمَعَنَّکُمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ لَارَیْبَ فِیْہِ .

قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ لَمَجْمُوْعُوْنَ اِلٰی مِیْقَاتِ یَوْمٍ مَعْلُوْمٍ .

فَذَرْھُمْ یَخُوْضُوْا وَ یَلْعَبُوْا حَتّٰی یُلَاقُوْا یَوْمَھُمُ الَّذِیْ یُوْعَدُوْنَ یَوْمَ یَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَ جْدَاثِ سِرَاعاً .

وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَاِذَاھُمْ مِنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰی رَبِّھِمْ یَنْسِلُوْنَ (الأیه.)

(وغیرھا من الأیات القرانیة) اور یہ آیات بھی اپنے مطلب میں اس قدر صریح ہیں کہ ان کے لئے کسی حدیثی تشریح کی کچھ ضرورت نہیں۔

اب یہ مسئلہ امامت وخلافت کا قرآن شریف میں پوری وضاحت کے ساتھ کیوں

نہ بیان کیا گیا مثلاً یوں فرمایا ہوتا عَلِیٌّ وَصِیُّ رَسُوْلِ اللّٰہِ ۔ یَا عَلِیُّ اَنْتَ خَلِیْفَۃُ
رَسُوْلِ اللّٰہِ بِلَا فَصْلٍ ۔ یا اطیعوا الائمۃ الاثنا عشر اماماً من ولد فاطمۃ
الحسن و الحسین و علیا و محمدا و جعفر او موسیٰ کاظم والرضا والتقی
والنقی والعسکری ومحمدا فانھم ھم الائمۃ المھدیون وجب علی الناس
کافۃ اطاعتھم ومن لم یطعھم فاولئک ھم الکافرون حقا واعتدنا
للکافرین عذابا مھینا

تو ہمیں مجبوراً احدیث کی طرف رجوع کرنا پڑا۔

مگر مجیب نے ۱۳ صفحے تو کالے کر دیے مگر بیچارے سائل کا گھر پورا نہیں ہوا کیونکہ اس کا سوال صرف اس قدر تھا کہ علی ولی اللہ خلیفہ بلافصل جو شیعہ کا عقیدہ ہے صریح عبارت قرآن سے دکھادیں اور گیارہ اماموں کی امامت نام بنام قرآن مجید سے ثابت کریں۔ سو مطلب سائل کا حل نہ ہو سکا۔ سائل بیچارہ اور زیادہ الجھنوں میں پھنس گیا۔ کیا اچھا ہوتا کہ مجیب مجہول الاسم والحال قرآن شریف سے بارہ اماموں کے نام دکھادیتے مگر جیسے مجیب صاحب خود مجہول الاسم والحال ہیں کہ اپنا نام بھی انہوں نے صراحت کے ساتھ نہیں بتایا اور نہ اپنا حال بتایا ایسے ہی متقدمین شیعوں نے قرآن مجید کے ذمے یہ عیب لگایا کہ امامت و خلافت کے مسئلہ کو جہالت میں رکھا اور کسی مصلحت سے اس کو صیغہ راز میں رکھا صاف صاف صراحت کے ساتھ ذکر نہیں کیا جیسے اصول کافی مطبوعہ لکھنؤ ص ۲۸۷ میں ہے

قال ابو جعفر علیہ السلام ولایۃ اللہ اسرھا اِلی جبریل و اسرھا جبریل الی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ واسرھا محمد الی علی علیہ السلام واسر

ھا علی الیٰ من شاء ثم انتم تذیعون ذٰلک ۔صرف یہی ایک روایت نہیں بلکہ بے
شمار روایتیں ہیں جو بتاتی ہیں کہ مسئلہ امامت ایک ایسا راز ہے کہ جس کو اللہ نے بھی، رسول
نے بھی، ائمہ نے بھی راز ہی میں رکھا۔ پھر بتاؤ قرآن مجید میں اس کی تصریح کیوں کر ہوتی۔
مگر مجیب صاحب ہیں جنہوں نے بڑی ڈھٹائی کے ساتھ "امت محمدیہ کے لئے
امامت وخلافت" کا عنوان قائم کر کے لکھا ہے
"خلاقِ عالمین نے امت محمدیہ کے لئے بھی مسئلہ خلافت وامامت کو بلوری
وضاحت سے یوں بیان فرمادیا ہے تاکہ کوئی الجھن نہ رہے"
اب ہم حیران ہیں کہ متقدمین شیعہ مثل "کلینی" وغیرہ کی بات کو سچ کہیں یا
پندرھویں صدی کے مجہول الاسم والحال شیعہ کو سچ کہیں جو کہ اپنے دعویٰ کو ثابت بھی نہیں
کرسکے۔نام تو ہے بلوری وضاحت مگر معلوم ہوتا ہے جیسے مثل مشہور ہے برعکس نہند نام زنگی
کافور۔ یہ بلوری وضاحت بھی اسی طرح "تارکول" جیسی تاریک وضاحت ہے جو کسی کی
سمجھ میں نہیں آتی۔

سوال ۱ مابین خلافت وامامت کے مسئلہ پر تنازعہ کا حل الائمۃ من قریش پہ ہی طے پایا تھا

جواب ۱ قرآن حکیم کو فیصل قرار نہ دیا گیا۔قرآن کریم میں یہ عبارت کہیں نہیں ہے
الخلیفۃ بعد رسول اللہ علیؓ وولدہ اگر ہے تو مجیب کے ذمے ہے کہ دکھائے۔

جواب ۲ جب قرآن میں یہ مسئلہ تھا تو حضرت علیؓ نے وہ آیت قرآنی کیوں پیش نہ فرمائی
انہوں نے کیوں سکوت فرمایا۔

جواب ۳ الائمۃ من قریش (اصل مضمون میں مجیب نے من القریش لکھا ہے۔) کسی نے اپنا قول تو
پیش نہ کیا تھا بلکہ فرمان نبوی پیش کیا تھا۔اگر یہ غلط تھا تو بھری مجلس میں اس کی

تردید ضروری تھی۔ خاص کر کے جب کہ بزعم شیعہ وہاں مخالفین بھی موجود تھے۔

جواب ۴ اگر یہ فرمان نبوی نہ ہوتا تو اختلاف بدستور قائم رہتا۔ مگر یہ فرمان نبوی ہی تھا جس کے ہوتے ہوئے سب صحابہ کرامؓ کا اس مسئلہ پر اتفاق ہو گیا۔ تو شیعہ یہ بتائیں کہ یہ حدیث الائمۃ من قریش اتفاق کی سبب بنی یا اختلاف کی۔ اتفاق اچھا ہے یا اختلاف اچھا ہے۔ اگر "**من کنت مولاہ فعلی مولاہ**" خلافت بلافصل حضرت علی کی بتاتی ہے۔ تو یہ بتائیں کہ

۱ اگر اس میں نص ہے تو اس مجلس میں براء بن عازب۔ ابن عباس۔ زید بن ارقم وغیرہ ہستیاں بھی تشریف فرما تھیں تو انہوں نے خلافتِ علی کے اثبات میں اس متواتر (بزعم شیعہ) حدیث کو کیوں نہ پیش کیا۔

۲ اور جب روایت کرنے والے خود اس حدیث کو بھری مجلس میں پیش نہیں کرتے تو اس کی وجہ کیا ہے یا تو نعوذ باللہ وہ مرتد ہو چکے تھے (جیسے شیعہ کا دعوٰی ہے کہ سوائے تین یا چار کے سب مرتد ہو چکے تھے) اور یا یہ روایت ان حضرات کی بیان کردہ نہیں ہے بلکہ کسی بعد کے راوی نے ایک مجمل حدیث گھڑ کے ان کی طرف غلط نسبت کر دی۔ اور یا پھر حدیث واقعی انہوں نے روایت کی اور نبی کریم ﷺ سے براہ راست مشافہۃً سنی تھی لیکن اس کا مفہوم ان کے نزدیک وہ نہ تھا جو شیعہ کشید کر رہے ہیں کہ اس میں بلافصل خلافت حضرت علیؑ کی ثابت ہوتی ہے۔ بلکہ ان کے نزدیک اس حدیث کا مفہوم کوئی اور تھا۔ اسی لئے اس موقعہ پر جب خلافت کی بحث چھڑی ہوئی تھی اس حدیث کو بلافصل خلافت علی کے لئے پیش نہیں کیا۔

اگر وہ لوگ پہلی شق کے مطابق مرتد تھے تو مرتدین کی روایت پر شیعہ لوگ کیوں کر

اعتماد کر لیتے ہیں۔ جب کہ ائمہ معصومین سے کوئی اس حدیث کو روایت نہیں کرتا۔

۳ اگر یہ حدیث حضرت علی کی بلا فصل خلافت کی دلیل ہے اور یہ اس میں نص ہے اور یہ یوم غدیر خم ہی میں وارد ہوئی ہے تو آپ نے آیت کے شان نزول میں جن مفسرین کے نام لئے ہیں مثلاً ابن جریر طبری ، ابن مردویہ ، ابونعیم ، خطیب بغدادی ، ابوسعید بجستانی ، ابوالحسن ابن المغازی ، ابوالقاسم وغیرہم کیا ان کا یہی عقیدہ تھا کہ حضرت علی بلا فصل خلیفہ رسول ہیں اگر یہی عقیدہ تھا تو آپ کے ذمے اس کو ثابت کرنا ضروری ہے۔ اگر یہ عقیدہ نہ تھا تو کیا وجہ ہے کہ جو وجوہ اس حدیث کو صحابہ کرامؓ کے بلا فصل خلافت علی کے استدلال میں پیش نہ کرنے میں گزرے ہیں وہ سب وجوہ یہاں بھی متصور ہو سکتی ہیں

اس سے ثابت ہو گیا کہ مجیب نے جو کہا ہے کہ ان جملہ شواہد کی موجودگی میں حضرت علی بن ابی طالبؑ کی خلافت بلا فصل منصوص من اللہ و رسولہ میں کیا شک رہ جاتا ہے۔ یہ سب مجیب کی اپنی فہم ہے جس کا حقانیت کے ساتھ دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔

سوال ۲ پھر تیسری خلافت کا فیصلہ تو کتاب اللہ و سنت رسول اللہ اور سیرت شیخین (حضرت ابوبکر و حضرت عمر) پر عمل درآمد کی شرط پر ہوا۔ گویا کہ کتاب و سنت کے ساتھ سیرت شیخین کا بھی اضافہ کر دیا گیا۔

جواب یہ اضافہ اپنی طرف سے نہیں کیا گیا ہے بلکہ یہ اضافہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے فرمان کو سامنے رکھ کر کیا گیا۔ کیونکہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر (مشکوٰۃ ص ۵۶۰ رواہ الترمذی عن حذیفہؓ) اور اس حدیث کو سن کر کسی نے انکار نہیں کیا خود حضرت علیؓ

نے حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اگر یہ حدیث غلط ہوتی تو حضرت علیؓ کبھی حضرت عثمان کے ہاتھ پر بیعت نہ کرتے۔

سوال ۳ مقام حیرت ہے کہ جناب سائل صاحب اہل سنت ہونے کے باوجود اپنے سوال میں صرف اور صرف کتاب اللہ سے ہی (اس سے آگے فقرہ مکمل نہیں کیا بہر حال مفہوم اس کا یہی ہے کہ سائل کا اہلِ سنت ہونے کے باوجود صرف کتاب اللہ سے دلیل کا مطالبہ کرنا یہ اسکی غلطی ہے کیونکہ اہل سنت کے ہاں صرف کتاب اللہ میں دلیل کا انحصار نہیں۔ اہل سنت تو سنت رسول اللہ ﷺ کو بھی دلیل مانتے ہیں۔

جواب عقیدہ کا مدار اہل سنت کے نزدیک صریح قطعی الدلالۃ آیت قرآن شریف پر ہے حدیث غیر متواتر پر ان کے نزدیک عقیدہ کی مدار نہیں اور تواتر کا وجود اصول اعتقادیات کے ساتھ متعلق ہو یہ کہیں نہیں ہے اس لئے سائل نے یہ سمجھ کر پوچھا ہے کہ ہمارے نزدیک تو اصولِ دین صرف تین ہیں توحید رسالت اور معاد مگر شیعہ عقائد میں اصولِ دین دو اور بھی ہیں یعنی امامت وعدل۔ اور سائل نے جہاں تک قرآن مجید میں غور کیا ہے اسے یہ دونوں عقیدے قرآن مجید کی کسی آیت میں نہیں ملے اور نہ ہی اس بارے میں کوئی حدیث متواتر ملی ہے اس لئے اس نے سوال کیا ہے کہ قرآن مجید کی کسی آیت کا ہمیں نشان دیا جائے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ سائل حدیث کا منکر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآنی آیات بتاتی ہیں کہ امام کی ضرورت صرف چند اعمال کی انجام دہی کے لئے ہے ورنہ امامت مقصود اصلی چیز نہیں اور نہ یہ اصولِ دین میں سے ہے بلکہ فروع دین میں سے

ہے جیسے اِبْعَثْ لَنَا مَلِکًانُقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ سے ثابت ہوتا ہے کہ امام کی ضرورت احکام خداوندی کے معلوم کرنے کے لئے نہیں۔ بلکہ قتال فی سبیل اللہ جو بندوں کا اپنا فرض تھا اس کی انجام دہی کے لئے ہے۔ نبی کی طرح امام پر ایمان لانا مقصود اصلی نہیں ہے ورنہ حضرت شمویلؑ پیغمبر کے ہوتے ہوئے حضرت طالوتؑ کی کیا ضرورت تھی نیز نہج البلاغۃ قسم اول ص ۱۰ میں حضرت علیؓ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے لئے خلیفہ کا ہونا ضروری تو ہے مگر نبی کی طرح مخلوق کو ہدایت کرنا خلیفہ کا کام نہیں بلکہ خلیفہ کا کام فرائض جہاد کو انجام دینا اور امن وانصاف کو قائم رکھنا ہے۔

لہذا معلوم ہوا کہ خلافت نہ تو اصول دین میں سے ہے اور نہ ہی خلیفہ کیلئے عصمت شرط ہے بلکہ حضرت علیؓ کے نزدیک تو فاسق وفاجر کی خلافت بھی درست ہے عبارت یہ ہے ومن کلام لہ‘ علیہ السلام فی الخوارج لما سمع قولھم لاحکم الااللہ قال علیہ السلام کَلِمَۃُ حَقٍّ اُرِیْدَبِہٖ الْبَاطِلُ نعم انہ‘ لاحکم الا للہ ولٰکن ھٰئو لاء یقولون لا امرۃ الااللہ وانہ لابدللناس من امیر بِرٍّاَوْفَاجِرٍ یعمل فی اِمرتہ المؤمنُ ویستمع فیھا الکافر ویبلغ اللہ فیھا الاجل ویقاتل بہ العد وو تامن بہ السبل ویو خذللضعیف من القوی حتی یستریح بِرٌّ و یستراح من فاجر

مجیب صاحب نے اپنے زعم میں جن آیات کو اپنی دلیل بنایا ہے اور دعوی کیا ہے کہ ان آیات میں امامتِ ائمہ معصومین کا مسئلہ بڑی بلوری وضاحت کے ساتھ ثابت ہے ان آیات میں سے پہلی آیت اپنے ثبوت میں یہ پیش کی ہے اور عنوان یہ دیا "شیعہ کے اصول

ثمہ پر قرآنی دلیل "ارشاد باری تعالیٰ ہے۔یا ایھا الذین امنو اطیعو ا اللہ واطیعو االرسول واولی الامر منکم (الآیہ) پھر اس کا معنے کیا ہے اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو اس کے رسول کی اور اولی الامر کی جو تم میں سے ہوں۔

جواب اس استدلال میں مغالطہ سے کام لیا گیا ہے۔ وہ مغالطہ فی المراد ہے کہ اولوا الامر سے مراد امامت ہے۔ اس دعویٰ کی دلیل مطلوب ہے ہر آنچیز گفتی دلیلش بیار۔ دعوی بلا دلیل مسموع نہیں کل مالا دلیل علیه لایقبلُ اور اولی الامر کی جو تم میں سے ہوں الخ۔ یہاں اولی الامر میں اَلْ کونسا ہے؟ اور امر سے کیا مراد ہے ان میں اَلْ کو چھوڑ دیا۔ اولی الامر سے کون مراد ہیں؟ مجیب نے ان سے مراد ائمہ معصومین لئے ہیں۔ وہ کون ہیں؟ خود شیعہ کا اس میں بہت اختلاف ہے۔ اور اہل سنت نے کہا ہے کہ

1 امراءِ المسلمین مراد ہیں رواہ ابن جریر عن ابی ھریرۃ بسندٍ صحیحٍ ورجحه الشافعیؒ۔ اور کہا گیا کہ قریش امارت کو نہیں پہچانتے تھے اور امیر کے فرماں بردار نہیں ہوتے تھے۔ پس ان کو امیروں کی اطاعت کا حکم دیا گیا۔ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سنو اور اطاعت کرو اگرچہ تم پر حبشی غلام سردار ہو کہ گویا اس کا سر زبیبہ جیسا۔ (بخاری)

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے وصیت فرمائی کہ سنوں اور اطاعت کروں اگرچہ مجھ پر حبشی غلام ہاتھ پاؤں کٹا ہوا سردار ہو (مسلم)

2 اولوا الامر سے مراد اہل فقہ و دین ہیں (ابن عباس۔ مجاہد۔ عطا۔ حسن بصری۔ ابوالعالیہ

(رواہ ابن جریر وابن المنذر والحاکم عن ابن عباس) وہ جو لوگوں کو ان کے دین کے معانی سکھلائیں اور ان کو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کریں

نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ امیر کے لئے عصمت شرط نہیں ہے۔

۳ نبی کریم ﷺ نے اپنی دنیوی زندگی میں تقریباً ۵۰ سرایا مختلف علاقوں میں بھیجے جن پر امیر مقرر فرمایا اور وہ امیر اہل بیت میں سے نہ ہوتے تھے

حضرت معاذ بن جبل کو امیر اور عامل بنا کر یمن کی طرف بھیجا وہ بھی معصوم نہ تھے

اسی طرح حضرت امیر معاویہؓ کو وائل بن حجر کے ساتھ حضرِ موت کی طرف مبلغ اسلام بنا کر بھیجا۔

اور بھی کئی مقامات کی طرف صحابہ کرام کو مبلغ بنا کر بھیجا۔

وفد عبدالقیس کو احکام بتا کر بھیجا کہ اپنے علاقہ میں جا کر تبلیغ کرو۔

ابوبکر بن محمد بن عمر بن حزم کو احکام لکھ کر بھیجے کہ ان احکام پر عمل کرو کراؤ۔ حالانکہ وہ معصوم نہ تھے تو اگر امامت کے لئے اہل بیت میں سے ہونا اور معصوم ہونا۔ شرط ہوتا تو ان کو امیر نہ بناتے۔ یا پھر کہو کہ امیر تو بنائے تھے اور تھے بھی غیر معصوم مگر ان کی اطاعۃ واجب نہ تھی تو پھر کوئی کہہ سکتا ہے کہ امیر بنانے کی کیا ضرورت تھی؟ نیز حضرت علیؓ نے اپنے عوامل وقاضی مقرر کیے تھے جو غیر معصوم تھے لوگ ان کی بات مانتے تھے خود شیعہ اس کے اقراری ہیں

۴ اگر امیر کا معصوم عن الخطا ہونا ضروری ہے تو امامِ نماز (پیش نماز) کی عصمت کیوں ضروری نہیں جب کہ ایمان کے بعد تمام امور دین میں سے نماز اہم امر ہے اور باعتراف مجیب صاحب امام کا اتقیٰ اعلم ہونا اولیٰ بتایا گیا ہے اور خود نبی کریم ﷺ

نے عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی اقتداء میں نماز پڑھی جو باتفاقِ فریقین معصوم نہ تھے

پاکستان وغیرہ ملکوں میں امام معصوم موجود نہیں تو فیصلے کس سے طے کئے جائیں گے

جب شیعوں کا باہمی تنازع ہو جائے تو فیصلے کیلئے کس کے پاس جائیں گے اگر آپ جیسے مجتہدین معصوم نہ ہونے کی وجہ سے فیصلہ نہ کریں گے تو المنتظر کی انتظار میں بیٹھے رہیں۔

نیز آپ جیسے مجتہد فتویٰ نہیں دے سکتے۔ اگر فتوی دیں تو واجب العمل نہیں اور ممکن الرد ہے تو آپ لوگوں کا علم اور فتویٰ کس کام کا۔

پھر پیش نماز بھی معصوم ہونا چاہئے۔

پھر خمینی ائمہ معصومین میں سے نہ تھا اُسے ۱۳واں امام کیوں مانا۔

سوال ۴ اطیعو االلہ اور تُوْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ سے توحید

جواب کیا صرف توحید میں اطاعۃ اللہ وایمان باللہ بند ہے؟ اور قرآن کریم میں جس قدر مسائل عبادات معاملات ومعاشرہ کے ذکر ہیں ان کو ماننا یہ اطاعۃ اللہ وایمان باللہ سے خارج ہے؟

۱ ان اللہ یا مرکم ان تؤدوا الامانات الیٰ اھلھا کس کو حکم ہے۔ یہ خطاب اگر نبی اور اولوا الامر ہی کو ہے تو ان کا ذکر پہلے آنا چاہیے تھا۔

قرآن کے مفہوم کو سمجھنے کے لئے احادیث وتفاسیر سے تو انکار نہیں کیا جاسکتا" مگر اصول دین کو تو اللہ تعالیٰ نے آسان عبارت میں ادا کیا جس کے لئے کسی حدیثی یا تفسیری تشریح کی ضرورت نہیں ہے فرمان الٰہی ہے وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّکْرِ

کہ اللہ کی قسم ہم نے قرآن بہت آسان بنادیا۔ کیا کوئی ہے نصیحت حاصل کرنے والا فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرْ کیا اللہ تعالیٰ کی قسم پر بھی آپ کو اعتبار نہیں؟

سوال ۵ رسول اللہ اور اولی الامر وحکم بالعدل ان تحکموا بالعدل

جواب اگر یہ مراد ہوتی تو اللہ تعالیٰ یوں فرماتا و علی الرسول و اولی الامر ان یحکموا بالعدل حالانکہ پہلے حکم عام ہے اس کے بعد مومنین کو خطاب کر کے فرمایا یاایھا الذین امنو ااطیعو اللہ واطیعو الرسول واولی الامر منکم۔۔۔

سوال ۶ خداوند قدوس نے اپنی اطاعت کا حکم علیحدہ فرمایا اور رسول واولی الامر کی اطاعت کو بحکم واحد جمع فرمایا"

جواب بقول آپ کے معلوم ہوا اللہ کا حکم رسول کے حکم کے مغایر ہے اور رسول واولوالامر کا حکم الگ ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا من یطع الرسول فقد اطاع اللہ رسول کی اطاعت عین اطاعت اللہ ہے۔ پھر دوسری جگہ جو بغیر اعادہ لفظ اطیعوا آیا ہے واطیعو االلہ والرسول لعلکم ترحمون (سورۃ ال عمران) اس سے بھی مغایرت معلوم نہیں ہوتی۔

نیز اللہ نے اولی الامر کا لفظ استعمال فرمایا جس میں علماء نے اپنی اپنی فہم کے مطابق مختلف مرادیں لیں۔

سیدھا صاف لفظ غیر مشتبہ استعمال کرنے سے کونسا امر مانع ہے جیسے لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ صریح صاف اور واضح عبارت ہے ایسے ہی صاف فرمادیتے عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰهِ وَصِیُّ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَخَلِیْفَتُهٗ بِلَافَصْلٍ

جب کہ یہ عقیدہ کا مسئلہ تھا جس کو صریح عبارت میں ادا فرمانا تھا تاکہ کسی کے دل میں اشتباہ واقع نہ ہو۔ صریح عبارت عقائد میں نہ استعمال کرنا اور عقیدہ کی بات اشارہ کنایہ میں بولنا اللہ تعالیٰ کے کلام کا انداز نہیں دیکھو کیسے صاف انداز میں توحید بتائی مثلاً

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ۔

لَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ۔

فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ

اور رسالت کے متعلق صریح فرمایا محمد رسول اللہ ﷺ۔

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔

اور قیامت کے متعلق صراحۃً حلفیہ طور پر فرمایا

قُلْ بَلٰی وَرَبِّیْ لَتُبْعَثُنَّ۔

ثُمَّ اِنَّكُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ۔

ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ ثُمَّ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ۔

اور جس انداز سے مجیب نے اصول خمسہ ثابت بلکہ کشید کیے ہیں ایسے اور کئی اصول ثابت کیے جاسکتے ہیں اگر عدل کا اس آیت سے اصول ہونا ثابت ہوتا ہے تو قرآن نماز، زکوۃ وغیرہ کا دوسری آیتوں سے اصول ہونا ثابت کیا جاسکتا ہے جیسے

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِیْٓ اَنْزَلْنَا۔

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ وَمَنْ یَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ

ضَلَّ ضَلاَلاً بَعِیْداً تو چاہئے کہ اصول دین پانچ میں منحصر نہ ہوں بلکہ اصول دین یہ سب ہوں مثلاً

۱ ایمان باللہ

۲ ایمان بالرسول

۳ ایمان بالملائکہ

۴ ایمان بالقرآن

۵ ایمان بالکتب السماویہ

۶ ایمان بالیوم الآخر

۷ ایمان بالصلوۃ اقامَۃِ الصلوٰۃ

۸ وایتاء الزکوٰۃ

۹ جہاد فی سبیل اللہ (فقاتل فی سبیل اللہ)

۱۰ احسان۔

۱۱ اِیْتَاء ذی القربیٰ۔

نیز آپ لوگ جہاد کو اصول دین میں کیوں شمار نہیں کرتے جب کہ اللہ کا حکم ہے وجاھد وافی سبیل اللہ باموالکم وانفسکم۔

پھر امر سے امامت سمجھنے کا کونسا قرینہ ہے جب کہ امر کا اطلاق دین پر عام شائع ہے جیسے نبی کریم ﷺ نے فرمایا مَنْ اَحدَثَ فِیْ اَمْرِ نَا ھٰذَامَالَیْسَ مِنْہُ فَھُوَرَدٌّ یعنی جو ہمارے دین میں ایسی نئی بات نکال ڈالے جو ہمارے دین میں نہیں ہے تو وہ مردود

ہے۔اور دوسری روایات میں دِیْنِنَــا کی تصریح بھی آئی ہے۔تو اس معنی کی رو سے آیت کا مطلب واضح ہے کہ جو امر دین والے ہوں یعنی دین کے ماہر ہوں قرآن وسنت کے عالم اور عامل ہوں تو ان کا کہا مانو۔اب امر کے مفہوم میں کم از کم اشتباہ تو پیدا ہو گیا تو احتمال کئی امور کا ہوا اور اصولی قاعدہ ہے اذاجاء الاحتمال بطل الاستدلال تو اس سے استدلال کرنا ٹھیک ہی نہ ہوا۔

پھر یہ دعوی کہ ائمہ اثناعشر معصوم ہوتے ہیں یہ دعویٰ بلا دلیل ہے اس کے لئے قطعی الثبوت قطعی الدلالت ثبوت کی ضرورت ہے اور وہ دلیل یا تو قرآن سے معلوم ہوگی یا حدیث متواتر سے یا اجماع امت سے

1 اب ظاہر ہے کہ ائمہ معصومین کی عصمت قرآن کریم کی کسی آیت سے ثابت نہیں ہے

2 اور ائمہ کی عصمت کے بارے کوئی متواتر حدیث بھی نہیں

3 ائمہ کی عصمت پر امت کا اجماع بھی نہیں

اور جو امامت ائمہ کے قائل ہیں ان میں بھی بہت اختلاف پایا جاتا ہے۔

1 کوئی امام حسن کو ائمہ میں شمار کرتے ہیں اور کوئی نہیں شمار کرتے۔پھر

2 کوئی محمد بن حنفیہ کو امام مانتے ہیں کوئی نہیں مانتے۔پھر

3 کوئی تو موسیٰ کاظم کو امام مانتے ہیں کوئی ان کی جگہ اسمٰعیل کو امام مانتے ہیں۔پھر کوئی موسیٰ کاظم کے بعد

4 کوئی تو علی بن موسیٰ رضا کو امام مانتے ہیں کوئی محمد بن اسماعیل کو اور

5 کوئی احمد بن موسیٰ کو۔کوئی موسیٰ کی جگہ عبداللہ بن جعفر کو اور پھر

کوئی ابو ہاشم کو اور پھر
٦ کوئی اسحاق بن جعفر کو۔ تو کوئی محمد بن حنفیہ کے بعد ابو ہاشم کو اور پھر
٧ کوئی اس کی اولاد کو۔

قرآنی ثبوت ان میں سے کسی کے پاس نہیں اور نہ ہی کوئی حدیث متواتر دکھا سکتا ہے تو اب ایسے اختلافات کے ہوتے ہوئے اجماع کا قول کس طرح کیا جا سکتا ہے اور ان مختلف ائمہ میں سے کس کو قطعی طور پر امام معصوم عن الخطاء کہہ سکتے ہیں۔

نیز کیا حضرت حسینؓ اور ان کی اولاد ہی اہل بیت سے ہیں یا حضرت حسن کی اولاد بھی اہل بیت سے ہے اگر وہ بھی اہل بیت سے ہیں تو ان کی عصمت کیوں مسلم نہیں اور صرف حضرت حسینؓ کی اولاد میں عصمت کیوں بند ہے؟

اور پھر اس کا کیا ثبوت ہے کہ عصمت نبی و ائمہ اہل بیت کے غیر میں نہیں پائی جاتی اس کے لئے بھی قرآنی دلیل یا حدیث متواتر کی ضرورت ہے۔

سوال ٧ اہل سنۃ کے مفسرین علامہ زمخشری:۔

جواب یہ اہل سنۃ میں سے نہیں بلکہ اہل اعتزال میں سے ہے۔

سوال ٨ وہ (شیعہ) سوائے معصوم عن الخطاء کے کسی کی اطاعت تسلیم نہیں کرتے۔

جواب اب جب کہ امام منتظر مخفی ہے تو اب مسائل پیچیدہ کا حل کس طرح ہو گا جب کہ تمہارے نظریہ کے مطابق معصوم عن الخطاء کے سوا کسی کی اطاعت مسلم نہیں۔

سوال ٩ آیت مجیدہ میں نیک یا بد حاکم کی کوئی تشریح ہی نہ ہے۔

جواب قرآن مجید کی تشریح حدیث ہے جس میں بروایت حضرت علیؓ فرمان نبی ﷺ ہے کہ لَا طَاعَةَ لِلْمَخْلُوْقِ فِیْ مَعْصِیَةِ الْخَالِقِ. حجۃ الوداع میں نبی پاک ﷺ

نے فرمایا تھا جو تم کو کتاب اللہ کے موافق چلاوے تو اس کی مانو اور اطاعت کرو۔

سوال ۱۰ بیشک شیعہ کسی ایسی امامت وخلافت کے قائل نہیں ہیں کہ عوام مل جل کر امام یا خلیفہ منتخب کرلیں۔

جواب ۱ امام خمینی کو کیوں کر منتخب کیا گیا۔ کیا اللہ تعالیٰ نے اسے منتخب کیا؟ یا عوام نے؟ بلکہ وہ اُسے ایسا منصب سمجھتے ہیں جس کا تقرر خداوند تعالیٰ یا اس کا نبی یا رسول فرمائے اب ان ائمہ معصومین کا تقرر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا نہیں ورنہ ان کے نام دکھاؤ جیسے سائل نے سوال میں کہا ہے۔

جواب ۲ اور اگر نام ہوتے تو شیعہ کے اختلافات اماموں کے بارے نہ ہوتے۔ اور نبی کریم ﷺ نے اگر تقرر فرمایا ہے تو وہ بھی براہ کرم حدیث متواتر کے ساتھ ثابت فرمائیں یا اجماع امت سے ثابت کریں۔

سوال ۱۱ مسئلہ امامت وخلافت کو بلوری وضاحت سے یوں بیان فرمایا ہے تا کہ کوئی الجھن نہ رہے ارشاد ہوتا ہے کہ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (الآیة)

جواب کیا اس آیت کریمہ میں ائمہ معصومین کے نام ذکر ہیں؟ ہاں اوصاف ذکر ہیں جن میں سے

۱. پہلی صفت ایمان باللہ ہے جو ائمہ معصومین میں پائی جاتی ہے کیا خلفاء ثلثہ اس وصف سے محروم تھے کیا وہ مرتد تھے بتوں کو پوجتے تھے؟

۲. دوسری صفت عمل صالح جو ائمہ معصومین میں پائی جاتی ہے کیا خلفاء ثلثہ اس وصف سے محروم تھے؟ کیا وہ معاذ اللہ سود خور مرتشی تھے ڈاکو چور تھے زانی یا قاتل تھے؟

۳ تیسری وصف کہ اللہ تعالیٰ ان کو خلیفہ کرے گا زمین میں۔ کیا ائمہ معصومین سے کوئی ایک بھی خلیفہ ہوا ہے سوائے حضرت علی و حسن بن علیؓ کے؟

۴ چوتھی وصف جیسا کہ پہلوں کو خلیفہ کر چکا ہے۔ کیا پہلوں کو خلیفہ اسی طرح کیا تھا کہ زمامِ حکومت تو مرتدوں کے ہاتھ میں ہو اور وہ خلفاء تقیہ کر کے زیر سایہ، حکومت چپ چاپ بیٹھے رہے ہوں۔

۵ پانچویں وصف کہ محکم کرے گا ان کے واسطے ان کا وہ دین جو ان کے لئے پسند کیا۔ کیا محکم کرنے کا یہی مطلب ہے کہ

۱ دار الخلافہ مدینہ پاک چھوڑ کر کے حجاز سے نکل گئے عراق میں جا ڈیرہ لگایا۔

۲ بقولِ روافض متعہ جیسی پاک عبادت کو اپنے دورِ حکومت میں رائج نہ کر سکے اور

۳ تراویح جیسی بدعت قبیحہ شنیعہ کو مٹا نہ سکے اور

۴ جہاد کر کے کفار کے ملک کا ایک گاؤں بھی فتح نہ کر سکے۔

۵ اور تھوڑے سے وقت (تقریباً ۵ سال) باہمی تین لڑائیاں ہوئیں جس میں ۸۶ ہزار فوج مسلمین کی کام آئی۔ کیا یہی استحکام ہے۔

۶ چھٹی وصف ان کے خوف کے بعد ان کو امن میں بدل دے گا۔ کیا آپس میں خانہ جنگی امن ہے اپنوں میں سے بہتوں کا خروج کر کے اپنی جماعت علیحدہ بنا لینا جس کی وجہ سے جنگ کی نوبت پہنچ جائے اسی کا نام امن ہے؟ باغیوں کے ساتھ صلح کر لینے کا نام امن ہے؟ آخر کار جامِ شہادت نوش فرمانا امن کی حالت میں ہوا تھا۔

نیز حضرت علیؑ سے حسن عسکری تک کونسا امام ہوا ہے جو امن کی حالت میں رہا ہو اور اپنی موت سے مرا ہو۔ تاریخ گواہ ہے کہ سب نے جامِ شہادت نوش فرمایا اور زندگی چین سے کسی کی نہیں گزری تھی ہاتھ پاؤں بہت مارے حکومت نہ ملی۔

7 ساتویں شرط ہے وہ خلفاء میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے کیا خلفاء ثلثہ میں سے کسی نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کیا۔ لات، عزیٰ، منات، کی پوجا کی یا ودسواع، یعوق، یغوث، نسر، کی پوجا کی یا عیسیٰ ابن مریم، روح القدس، کی پوجا کی یا عزیر، موسی، کو حاجات میں پکارا کیا نماز نہیں پڑھتے تھے روزے نہ رکھتے تھے یا اسلام کا کونسا کام ہے جسے انہوں نے چھوڑا ہو کیا جہاد نہ کرتے تھے۔ حق تو یہ ہے کہ یہ سب اوصاف خلفاء میں بوجہ اتم پائے جاتے ہیں دین اسلام کو دور دور تک پھیلایا کفار مشرکین و یہود و نصارٰی کی حکومتوں کو ختم کر کے وہاں اسلامی حکومت کا جھنڈا لہرایا مساجد بنائیں منبر بنائے قرآن مجید کے نسخے دوسرے ممالک میں لکھ لکھ کر بھیجے قرآن و سنت کو ہر طرح لوگوں تک پہنچایا وغیر ذلک من الفضائل۔

سوال ۱۲ نبی یا رسول ﷺ جسے امامت وخلافت کے لئے منتخب فرمائیں وہ بالواسطہ کہا جاتا ہے اور جسے خداوند تعالیٰ فرمادے اسے بلاواسطہ کہا جاتا ہے

جواب جیسے امامتؑ کے بارے کہتے ہو کہ خدا منتخب کرتا ہے ایسے ہی ملوکیت کو بھی خداوند تعالیٰ ہی منتخب فرماتا ہے جیسے فرمایا وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا۔ موسی

علیہ السلام نے اپنی قوم کو فرمایا بھائیو تم پر اللہ کی نعمت جو ہوئی ہے اسے یاد کرو
جب کہ اللہ نے تم میں پیغمبر بنائے اور اللہ نے ہی تم کو بادشاہ بنایا اسی طرح وقال
لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا ان کے نبی نے فرمایا کہ
اللہ نے تمہارے واسطے طالوت کو بادشاہ مقرر کیا ہے۔
پھر اس سے لازم آتا ہے۔ بزعم شیعہ بادشاہ بھی معصوم عن الخطاء ہوں۔

امام کا مفہوم اہلسنت والجماعت کی نظر میں

امام اسم آلہ ہے بروزن فعال بمعنے من یو تم بہ (جس کی پیروی کی جائے یا جس کا قصد کیا جائے۔ جیسے نماز کسی امام کی اقتداء میں پڑھتے ہیں اسی کی پیروی کرتے ہیں۔

لفظاً واحد مذکر ہے مگر جمع کے موقع پر بھی امام کا لفظ بولا جاتا ہے اور ائمہ بھی استعمال ہوتا ہے مؤنث پر امام بولتے ہیں اور کھلا راستہ کو امام مبین کہتے ہیں۔ لوح محفوظ اور صحیفہ اعمال پر امام کا اطلاق کیا گیا ہے کہ جیسے اس میں تحریر ہوگی اسی کے مطابق جزاء سزا ہوگی۔ تمام صحابہؓ امت محمدیہ کے امام ہیں ان کی پیروی کرنا امت کا فرض ہے۔

خصوصاً خلفائے راشدین جن کے متعلق نبی اکرم ﷺ نے فرمایا

علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین المهدیین

میرا طریقہ اور خلفاء راشدین کا طریقہ لازم کر پکڑو اور ان میں ثانی اثنین یار غار و مزار ابوبکر صدیقؓ جو مردانِ امت میں اول المؤمنین ہیں جن کو نبی کریم ﷺ نے خود اپنے مصلے پر کھڑا کر گئے تھے اور سترہ نمازیں ان کی اقتداء میں پڑھیں اور نماز وہ عمل ہے جس کا مقام تمام اعمال حسنہ میں اول ہے پھر حضرت صدیق اکبرؓ نے خود ہی حضرت عمرؓ کو خلافت کے لئے معین کیا تھا۔

خلافت کی وراثت

بقول تاریخ امامت کے قائل حضرات بھی تو اسے خاندانی وراثت ہی تصور کرتے ہیں مثلاً

۱۔ اسماعیلیہ میں حضرت علی سے لے کر موجود پرنس کریم آغا خان ہی کو اپنا پچاسواں حاضر امام تسلیم کرتے ہیں۔

۲۔ بوہروں میں ملا نجم الدین کو اپنا حاضر امام تصور کرتے ہیں۔

۳۔ کیسانیہ میں محمد بن حنفیہ اور ان کی اولاد کو ہی امام تسلیم کیا جاتا ہے۔

۴۔ یمن کے زیدیوں میں زید بن علی عابد اور ان کی اولاد کو ہی امام تسلیم کیا جاتا ہے۔

۵۔ اثنا عشریوں میں بھی حضرت علی سے لے کر حسن عسکری تک ہی کو امام اور خاندانی خلافت کا حق دار تصور کیا جاتا ہے۔ حالانکہ حضرت حسن بن علی نے اپنی خاندانی خلافت کو دار الحکومت کوفہ میں عوامی خزانہ سے ۲ کروڑ درہم نقد اور گیارہ لاکھ درہم سالانہ وظیفہ کے عوض ربیع الاول ۴۰ھ میں حضرت معاویہ کے ہاتھ بیچ ڈالا تھا۔

امامت کا مفہوم

پھر بحث یہ ہے کہ امامت کا کیا مفہوم ہے؟ سو شیعہ کا آپس میں اس بارے میں بہت اختلاف ہے چنانچہ

1. غالی شیعہ کہتے ہیں کہ امامت حکومت کو کہتے ہیں کہ احکام اوامر نواہی جاری کیے جائیں اور یہ ایک شان ہے الوہیت کی۔
2. بعض شیعہ کہتے ہیں کہ امامت نام ہے نیابت پیغمبر کا دینی و دنیوی امور میں۔
3. زیدیہ فرقہ کہتا ہے کہ امامت میں نہ نص شرط ہے نہ عصمت نہ افضلیت بلکہ تلوار اور اظہار امامت کے ساتھ خروج کرنا عمدہ شرط امامت کی ہے۔
4. نزاریہ (اسماعیلی شیعہ کا فرقہ) کہتے ہیں امام کے لئے عصمت شرط نہیں نہ اس کو فروعات شرع کا مکلف کہتے ہیں چاہے زنا کرے چاہے اغلام چاہے شراب پیئے سب جائز ہے۔

جب امامت کا مفہوم ہی شیعہ کے ہاں متعین نہیں ہوسکا تو کس کی بات تسلیم کریں۔

سوال ۱۳ یا ایھا الرسول بلغ ما انزل۔ یعنی رسول اللہ ﷺ کو اس جملہ میں ایک مسئلہ خاص کا حکم ہوا ہے۔

جواب اس آیت مجیدہ کا ترجمہ یہ ہے کہ اے رسول اللہ ﷺ پہنچا دے جو کچھ کہ اتارا گیا ہے تیری طرف۔ اس میں مَا عموم کیلئے ہے کہ جو کچھ بھی آپ کی طرف اترا ہے وہ سب ہی پہنچا دے۔ اس عموم کے لفظ سے بلا قرینہ صارفہ کے خصوص مراد لینا لسانی قانون کے خلاف ہے اور پھر اس خاص مسئلہ کی تعیین ایک من گھڑت

من گھڑت اس کو اس لیئے کہا کہ محققین علماء نے اس قول سے کر لینا بڑا جرم ہے۔ کو رد کیا جیسے ابن تیمیہؒ نے منہاج السنۃ میں لکھا ہے اَمَّا قَوْلُهٗ مَنْ کُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاهُ کتب صحاح میں نہیں ہے بخاری وابراہیم حربی ودیگر علماء حدیث نے اسے ضعیف کہا اور ابن حزم نے بھی کہا کہ ثقہ راویوں کے طریق سے مروی نہیں۔ ابن حجر مکی نے کہا ابوداؤد بجستانی وابو حاتم رازی جیسے محدثین نے بھی اس پر طعن کیا۔

۲ دوسرے مولیٰ کے معنے حاکم کسی لغت میں نہیں۔

۳ تیسرے اس آیت کا غدیر خم کے دن نازل ہونا ہی غلط ہے یہ آیت تو غدیر خم سے بہت پہلے اتر چکی تھی اور یہ مدینہ میں اتری تھی جب کہ عبداللہ بن ابیّ منافق زندہ تھا۔ اور شیعہ کی کتاب کافی کلینی ص ۱۷۸ میں لکھا ہے کہ یہ آیت بروز جمعہ میدان عرفات میں اتری۔

۴ چوتھے اس میں تصریح نہیں ہے کہ علی ولی اللہ وصی رسول اللہ و خلیفۃ بلافصل جیسے شیعہ لوگ لا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰهُ اور مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کی طرح پڑھتے ہیں اگر یہ عقیدہ کا اہم مسئلہ اور اصول دین میں سے تھا تو اس کا ذکر صراحت کے ساتھ ہونا تھا نہ کہ اشارے کنایہ سے ہونا تھا۔

سوال ۱۴ اس سے قبل ہزار مسائل کی تبلیغ ہو چکی ہے الخ

جواب اس سے یہ معلوم ہوا کہ جس مسئلہ کی تبلیغ کرنی ہو ایک دفعہ تبلیغ کرنے سے فرض ادا ہو گیا بار بار ایک ہی مسئلہ کو دہرانا ٹھیک نہیں۔ یہ فرمائیں کہ

۱ نماز کے بارے جو بار بار حکم اتر تا رہا ہے یہ اسی لئے اترتا رہا کہ حضور اکرم ﷺ معاذ اللہ چھپائے رکھتے تھے

۲ اسی طرح زکوٰۃ دینے کا حکم کئی بار ہوا۔

۳ اطیعو اللہ و اطیعوا الرسول کئی بار قرآن میں آیا۔ کیا تاکید کے لئے تکرار ٹھیک نہیں۔ یہاں بھی یہی حکم ہے کہ مَآ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ مِنۡ رَّبِّکَ کو پہنچاتے رہو۔ نئے نئے اسلام لانے والوں تک بھی پہنچادو۔ اپنا وظیفہ جاری رکھو

سوال ۱۵ بعض لوگ جو اولوا الا مر منکم کا مطلب یہ نکالتے ہیں کہ وہ صاحبان امر یعنی حکام یا بادشاہ جو مسلمانوں میں سے ہوں ان کی اطاعت فرض ہے تو وہ کیا کریں گے۔ جب وہ فاسق و فاجر ہوں۔

جواب سو وہ لوگ وہی کہیں گے جو حضرت امام علیؑ نے حضرت رسول اکرم ﷺ سے روایت فرمائی ہے کہ لا طاعة للمخلوق فی معصیة الخالق . انما الطاعة فی المعروف .

رہا عطف "اولی الامر" کا "الرسول" پر سو اس میں معطوف و معطوف کا ہر بات میں مماثلت ضروری نہیں ہے صرف جنس یا نوع میں مماثلت چاہیے کیت و کیفیت میں مماثلت ضروری نہیں اور عصمت کیفیت کے قبیل سے ہے نیز دیکھو کلیات ابوالبقاء۔ عصمت کی شرط لگانا ذہنی اختراع ہے قرآن شریف میں اس کا کہیں ذکر نہیں ہے بلکہ قرآن کریم سے اولوا الامر کا معصوم نہ ہونا ظاہر ہوتا ہے کیونکہ اس سے نزاع کی اجازت دی گئی ہے کہ فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِیۡ شَیۡءٍ (الأیة) ہے کہ درصورت

شبہ مخالفتِ شریعت "اولوا الامر" سے نزاع جائز ہے جو عصمت کے منافی ہے۔اور رسول سے نزاع کسی حال میں جائز نہیں کیونکہ رسول معصوم ہوتا ہے۔نہ کتاب اللہ سے نزاع جائز ہے۔

اور بعد نبی پاک ﷺ کے کسی کو معصوم مفترض الطاعۃ ماننا دراصل ختم نبوۃ کا انکار ہے۔

سوال ۱۶ جناب سائل جو اہل سنت مکتب فکر سے تعلق رکھنے کے باوجود حدیث رسالت مآب ﷺ سے بے رخی کا مظاہرہ فرمارہے ہیں۔

جواب مسئلہ عقیدہ کا ہے جیسے لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰه۔مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔هُمْ مِنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰی رَبِّهِمْ یَنْسِلُوْنَ وغیرہ صراحت کے ساتھ قرآن میں موجود ہے سائل کا سوال یہ ہے کہ اسی طرح مسئلہ امامت صراحت کے ساتھ قرآن میں کہاں ہے کہ عَلِیٌّ خَلِیْفَةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ بِلَافَصْلٍ۔آپ صاف کیوں نہیں کہتے کہ قرآن شریف میں تو یہ مسئلہ توحید و رسالت و معاد و جہاد کی طرح کہیں ثابت نہیں۔البتہ ہم شیعہ لوگوں کی کتابوں میں امامت کی حدیثیں ہیں۔اگر یہ کہہ دیں تو سائل کو جواب صاف صاف مل جاتا۔

سوال ۱۷ کیا وہ کتاب اللہ سے بتاسکیں گے کہ اس آیہ مبارکہ کا شان نزول کیا ہے؟

جواب قرآن مجید شان نزول کا محتاج نہیں ہے قرآن بغیر شان نزول کے حل ہوسکتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّکْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّکِرٍ ہاں عملی صورت کی جہاں بات ہوتی ہے وہ عمل نبی اکرم ﷺ پر چھوڑا گیا صرف

اقیموا الصلوٰۃ فرمادیا اور عمل کر کے حضور اکرم ﷺ نے نماز پڑھنا دکھا دیا اور فرمایا صَلُّوا کَمَارَ اَیتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ یعنی نماز پڑھو جیسے تم مجھے دیکھتے ہو کہ میں نماز پڑھتا ہوں، اسی طرح روزہ، حج، زکوٰۃ، جہاد، نکاح وغیرہ احکامات۔

سوال ۱۸ بقول مفسرین ومحدثین اہلسنت یہ آیت شریفہ غدیر خم کے مقام پر ولایت حضرت علی بن ابی طالب کی تبلیغ کے لئے نازل ہوئی الخ

جواب ۱ یہ شان نزول واحدی کا بیان کردہ ہے جس کو سند کے ساتھ مفسرین ومحدثین نے نقل فرمایا اور اس میں راوی کذاب ہیں اور کئی کثیر الغلط ہیں واحدی خود حاطب لیل ہے صحیح غلط کا امتیاز نہ کرتا تھا۔ کلبی کذاب ہے۔ ابوبکر بن عیاش کثیر الغلط ہے اس کے بعد جو علامہ رازی نے اس کا رد کیا ہے اس کو کیوں نہیں نقل کیا۔ تمہاری مثال تو ان یہود کی سی ہوئی کہ توراۃ لا کر رجم کی آیت پر ہاتھ رکھ کر اوپر نیچے سے پڑھنے لگ گئے تھے اور نبی کریم ﷺ کو کہہ دیا دیکھ لو رجم کی آیت ہماری توراۃ میں نہیں ہے۔ تو حضرت عبداللہ بن سلام نے کہا یہ ہاتھ کیوں رکھا ہے ہاتھ ہٹا۔ یہ پڑھ کیا لکھا ہے۔ ہاتھ اٹھایا نیچے رجم کی آیت موجود تھی۔

جواب ۲ نیز آیت کے شان نزول میں مفسرین نے دس قول نقل کیے ہیں آپ بتائیں کہ کونسی حجت قویہ آپ کے پاس ہے جس سے ثابت ہو کہ باقی اقوال جھوٹے ہیں اور صرف یہ قول سچا ہے جب بقول امام رازیؒ آیت کا سیاق وسباق بتا رہا ہے کہ یہ آیت یہود ونصاریٰ کے مکر کے بارے اتری ہے (ص ۴۹/۱۲ وص ۵۰/۱۲ رازی)

آیة. اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ کے نزول کے بارے اختلاف ہے۔

پھر اس سے مراد یا تو ۱۔ عامۃ المومنین ۲۔ معین شخص ابو بکرؓ ۳۔ علیؓ

پھر ولی لفظ مشترک ہے ایسے الفاظ سے دعویٰ ثابت نہیں ہو سکتا امام رازی نے اس پر بحث کی ہے

نوٹ: یاد رہے کہ غدیر خم کی احادیث شیعہ راویوں کی وضع کردہ ہیں جن میں سے سالم بن ابی حفصہ ابو یونس، عبداللہ بن عبد القدوس سعدی۔ اصبغ بن نباتة، جعفر بن سلیمان ضبعی حارث بن حصیرہ، تلید بن سلیمان محاربی، محمد بن فضیل جو جلا بھنا شیعہ تھا (ابو داؤد) غالی شیعہ تھا (ابن حبان) عطیہ۔ عدی بن ثابت، علی بن زید، یزید بن ابی زیاد، سلمہ بن کہیل، شیعہ تھے

جواب ۳ پھر اس آیت کے شانِ نزول کے بارے خود کلینی نے اپنے اصول ص ۱۷۸ میں لکھا ہے کہ یہ آیت غدیر خم کے موقع پر نہیں اتری بلکہ عرفات کے میدان میں اتری ہے۔ تو جب اذا تعارضا تساقطا۔ لہذا نہ کلینی کی بات کہ یوم عرفہ میں یہ فرمان اترا صحیح ہوئی نہ خم غدیر کہنے والوں کی بات ٹھیک ہوئی۔

سوال ۱۹ مسند احمد کا حوالہ

جواب ۱ یاد رہے مسند احمد جو امام احمد بن محمد بن حنبل نے خود اپنے ہاتھ سے لکھی ہے وہ بہت مختصر سی ہے اس کے بعد ان کے صاحبزادہ نے کچھ احادیث کا اضافہ کیا اس کے بعد پھر ابو بکر قطیعی نے کئی اضافے کیے جس سے کتاب کا حجم بڑھ گیا اور اہمیت گھٹ گئی اس میں کئی حدیثیں ضعیف ہیں اور کئی منکر۔ لہذا وہ مستند نہ رہی۔ پھر

اس سے حوالہ پیش کرنا اسی کا کام ہے جو خود غیر معتبر ہو۔

جواب دوسرے یہ کہ اس میں صریح عبارت جس سے عقیدہ بلوری وضاحت کے ساتھ معلوم ہو جائے نہیں ہے اس حدیث میں کوئی نہیں کہ عَلِیٌّ خَلِیْفَتِیْ مِنْ بَعْدِیْ بِلَافَصْلٍ یا لَا خَلِیْفَةَ بَعْدِیْ اِلَّا عَلِیٌّ، وَوَلَدُہٗ اس میں جو لفظ مولیٰ ہے وہ لفظ مشترک ہے اس کے ۱۴ معنے علماء لغت نے لکھے ہیں اس میں سے

1. حاکم معنے کشید کرنا غلط ہے کیونکہ مولیٰ کے معنے حاکم کسی لغت میں نہیں۔
2. عبارت کے سباق وسیاق کے خلاف ہے
3. اللھم وَالِ مَنْ وَالَاہُ یہ معنے حاکم کی تردید کرتا ہے اور دوست کے معنے کی تائید کرتا ہے اور عَلٰی سَبِیْلِ التَّسْلِیْمِ ایسے محتمل المعانی لفظ سے استدلال باطل ہے کیونکہ اِذَا جَاءَ الْاِحْتِمَالُ بَطَلَ الْاِسْتِدْلَالُ۔
4. پھر یہ حدیث ہے جو خبر واحد ہے قرآن کا مقام نہیں رکھتی کیونکہ قرآن قطعی ہے اور حدیث ظنی۔

سوال ۲۰ کم وبیش تیس صحابہ کرام سے یہ روایت منقول ہے۔

جواب:

1. ان ۳۰ صحابہ کا نام بتا سکتے ہیں؟
2. جب آپ کے عقیدہ کے مطابق سب مرتد ہو گئے تھے تو مرتد کی روایت کا کیا اعتبار؟

یہ کیوں نہ پیش کیا گیا۔

③ اس حدیث کو سقیفہ بنی ساعدہ میں بطور دلیل کے کیوں نہ پیش کیا گیا۔

④ چوتھے اس روایت کی کئی سندیں ہیں ایک میں اسفندیار بن موفق ہے جو غالی شیعہ تھا (لسان المیزان ص ۱۱/۳۸۷) ایک راوی حسین بن محمد بن خسرو بلخی معتزلی تھا (ص ۳۱۲/۲) خالد بن عامر بن عیاش جس کا کوئی متابع نہیں (۳۷۹/۲) اسی طرح اور اسانید کا حال ہے۔

⑤ پانچویں اس حدیث کو میدان عرفات میں سنانے کا موقع تھا جہاں لاکھ سے زیادہ کا مجمع تھا۔ پھر طواف صدر کے بعد بعض وہیں رہے۔ یمنی یمن کو چلے گئے جدہ والے جدہ کی طرف طائف والے طائف کی طرف پھر مدینہ کی طرف جاتے ہوئے جہاں جہاں کسی کا راستہ جدا ہوتا تھا وہ اپنے رستہ سے اپنے مقام پر پہنچنے کے لئے الگ ہوتے گئے پھر غدیر خم میں جب کافی تعداد میں مجمع چھٹ چکا تھا اس اعلان کا کیا فائدہ رہا جس سے بکثرت مسلمان محروم رہے حالانکہ تمہارے زعم میں یہ اصول دین میں سے تھا جس پر عقیدہ رکھنا ہر مسلمان پر فرض تھا اب یہ عقیدہ غیر حاضروں تک پہنچا یا نہ اگر نہیں پہنچا تو اصول میں سے اس اصول پر ایمان نہ ہوا تو مومن ہوئے؟ اور اگر ان کو یہ عقیدہ پہنچا تو کس ذریعہ سے پہنچا معصوم معصوم کے ذریعے یا غیر معصوم کے ذریعے اگر معصوم کے ذریعے پہنچا تو اس وقت معصوم صرف دو ہی تھے (کیوں کہ حضرت حسن حضرت حسین تو بچے تھے اور بہت ہی چھوٹے تھے) کیا کوئی ثبوت ہے کہ اس اعلان کو پہنچانے کے لئے نبی پاک ﷺ اور حضرت علیؓ ان کے علاقہ میں ہر ہر شہر میں ہر ہر گھر میں

گئے۔ اگر آپ نہیں گئے اور غیر معصوم کے ذریعے یہ پیغام پہنچایا تو آپ کے عقیدہ کے مطابق غیر معصوم کی اطاعت جائز نہیں اس لئے ان لوگوں نے غیر معصومین کی بات مانی ہوگی۔ اب مسلمان ہوئے یا کافر۔ اگر وہ لوگ باوجود اس کے ایک اصل دین پر ایمان نہ رکھنے کے مسلمان ہیں تو کیوں؟

مجیب نے اپنی طرف سے بلوری وضاحت قرآنی کا دعوی کیا اور قرآنی آیات سے عصمت ائمہ اور حضرت علی کا خلیفہ بلافصل ثابت بتایا پھر، خلافت و امامت ائمہ اثنا عشر کا عنوان قائم کر کے اپنی گذشتہ نو صفحہ کی لکھی ہوئی تحقیق پر ناز کر کے کہتا ہے سائل کا یہ بھی مطالبہ ہے کہ حضرت علی کی خلافت بلافصل کے علاوہ گیارہ ائمہ کی امامت وخلافت کا قرآن حکیم سے ثبوت بمعہ قید اسماء کے پیش کریں۔ قرآن حکیم نے تمام مسائل کا حل فرمادیا ہوا ہے اور تدبر و تفکر سے انہیں سمجھنے کی دعوت دی ہے۔

مجیب نے تو اپنے زعم میں تمام مسائل کا حل کر دیا ہے مگر سائل کہتا ہے کہ میرے پلے تو کچھ نہیں پڑا۔ اب میرا آخری سوال قرآن مجید سے جو حل کیا جائے گا وہ بھی میرے پلے کچھ نہیں پڑے گا۔ مگر کوشش کروں گا شاید مجیب صاحب بارہ اماموں کے نام قرآن مجید میں سے دکھادیں تو مجیب صاحب اپنے پہلے بلوری وضاحت کی طرح اس مسئلہ کی وضاحت بھی قرآن شریف سے کرتے ہیں۔ چنانچہ تحریر کیا۔

ارشاد ربانی ہوتا ہے اِنَّـآ اَرْسَلْنَـآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ہم نے جس طرح فرعون کی طرف ایک رسول بھیجا تھا اسی طرح تمہاری طرف بھی ایک رسول بھیجا جو تم پر گواہ ہے"

جواب اس تشبیہ سے مسئلہ نکالا بارہ اماموں کا۔ مگر اس چیز کا کیا ثبوت ہے کہ تشبیہ بارہ خلیفہ ہونے میں ہے۔ کیا قطعی دلیل اسی طرح کی ہوتی ہے کوئی کہے۔

1. کہ پہلے خلیفے حضرت موسیٰؑ کے حضرت موسیٰؑ کی زندگی ہی میں فوت ہو گئے تھے کیا حضرت علی کو حضور اکرم ﷺ اپنی زندگی میں خلیفہ بنا گئے پھر زندگی ہی میں حضرت علی فوت ہو گئے تھے؟

2. پھر حضرت موسیٰؑ کے سگے بھائی تھے حضرت ہارون کیا حضرت علی حضور اکرم ﷺ کے سگے بھائی تھے؟

3. پھر حضرت موسیٰؑ چھوٹے تھے اور ہارون بڑے تھے کیا حضور اکرم ﷺ بھی حضرت علیؓ سے چھوٹے تھے۔

4. پھر حضرت موسیٰؑ فرعون قبطی کے گھر رہے تھے جو بنی اسرائیل کا دشمن تھا اور حضرت علی حضرت رسول اللہ کے گھر میں پلتے رہے۔ جو چچازاد بھائی تھے۔

5. پھر حضرت ہارون پیغمبر تھے کیا حضرت علی بھی پیغمبر تھے؟

6. پھر حضرت ہارون کی اولاد کو خلافت نہیں ملی بلکہ خادم موسیٰؑ یوشع کو خلافت ملی۔ اور نبی اکرم ﷺ کے خلیفے بزعمِ شیعہ علی تھے جس کے بعد خلافت علی کے دو بیٹوں میں سے پہلے حسن کو پھر حسین کو ملی۔ تو مماثلت صرف بارہ میں دیکھ کر مسئلہ خلافت بارہ اماموں میں چسپاں کرنا کتنی جسارت ہے جب کہ یہ سب امام علی کی اولاد

اولاد ہیں اور حضرت موسیٰ کے خلفاء کا یہ حال نہ تھا۔

۷ نیز وہ پیغمبر تھے اور یہ پیغمبر نہ تھے

نیز قرآن شریف میں ہر پیغمبر کے بعد ۱۲ خلفاء ہونے کا قاعدہ نہیں لکھا صرف حضرت موسیٰؑ کے بعد یہ ذکر فرمایا اس سے یہ کیسے ثابت ہو گیا کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد بھی ۱۲ خلیفے ضرور ہی ہوں گے اور تشبیہ صرف ۱۲ خلیفوں کے ہونے میں ہے جب کہ ۱۲ نقباء کے ذکر کے بعد یہ نہیں فرمایا گیا کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد بھی ۱۲ خلفاء ہوں گے اور حضرت علی کی اولاد میں سے ہوں گے اور ان کے یہ یہ نام ہوں گے نیز کوئی کہہ سکتا ہے کہ ٹھیک ہے وہ بارہ خلفاء یہ ہوئے ہیں ابوبکرؓ عمرؓ عثمانؓ علیؓ حسنؓ معاویہؓ یزیدؒ مروانؒ عبداللہؓ بن زبیرؓ عبدالملکؒ بن مروان عمرؒ بن عبدالعزیز جو پہلی صدی میں گزر چکے ہیں اب اس کی آپ قرآن پاک کی آیات سے کس طرح تردید کرو گے کیونکہ قرآن مجید میں نہ نام ان کا ہے نہ نام ان کا۔ آپ اپنے دعویٰ کو کس طرح ثابت کرو گے جب مذکورہ بالا لوگوں نے واقعی طور پر حکومتیں اور خلافتیں بھی کی ہیں تاریخ بھی گواہ ہے اور مسلم وغیر مسلم سب میں مسلّم ہیں اور تھے بھی نسل ابراہیم نبی سے اور الائمۃ من قریش جو فرمایا ہے قریش بھی تو نسل ابراہیم رسول سے ہیں۔

جواب ۲ اور تشبیہ دلائل قطعیہ میں سے نہیں ہے اہل معقول تمثیل و استقراء کو دلائل ظنیہ میں شمار کرتے ہیں۔ برہان نہیں جو قطعی دلیل ہوتی ہے جو ان قضایا سے مرکب ہوتی ہے جو قطعی ہوتے ہیں مثل قضایا فطریہ و جدانیات، حدسیات، مشاہدات

متواترات اولیات کے اور عقیدہ مثالوں سے ثابت نہیں ہوتا۔ عقیدہ تو دلائل قطعیہ سے ثابت ہوتا ہے۔ پھر یہاں تو تمثیل بھی نہیں نہ کوئی لفظ تمثیل کا ہے اور وجہ تشبیہ کی وجہ جامع بھی صراحۃً نہیں ہے ہر کوئی اپنے اپنے فہم کے مطابق وجہ شبہ کی بیان کرسکتا ہے جس طرح مرزا قادیانی بھی یہی آیت انا ارسلنا الیکم رسولا شاھد اعلیکم کما ارسلنا الی فرعون رسولا ہی پڑھ کر اپنا مدعا ثابت کرتا ہے۔

اصل مطلب تو آیت کریمہ کا واضح ہے کہ ہم نے تمہاری طرف رسول بھیجا جو توحید کے مسئلہ کی شہادت دیتا ہے تم پر جس طرح ایک رسول ہم نے فرعون کی طرف بھیجا تھا یعنی موسیٰؑ نے بھی فرعون کو مسئلہ توحید سمجھایا تھا اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو تمہاری طرف مسئلہ توحید سمجھانے کے لئے بھیجا ہے۔ یہاں سے خواہ مخواہ ۱۲ خلفاء کا مسئلہ کشید کرنا تلعب بالقرآن (کھیل بنانا) ہے دین نہیں ہے

سوال ۲۱ حضرت موسیٰؑ کو حضرت ہارونؑ وزیر عطا فرمایا جو بھائی اور اہل بیت تھا شریک امر ومددگار تھا الخ

جواب حضرت ہارونؑ حضرت موسیٰؑ کے بڑے بھائی تھے اور سگے بھائی تھے بخلاف حضرت علیؓ کے کہ سگے بھائی نہ تھے بلکہ چچازاد بھائی تھے پھر جب حضرت کو نبوۃ ملی تو اس وقت حضرت علی ۵ سال کے تھے ۵ سالہ بچہ شریک امر ومددگار کیسے ہوسکتا ہے پھر حضرت علیؓ حضور اکرم ﷺ کے داماد تھے اور ہارونؑ موسیٰؑ کے داماد نہ تھے

سوال ۲۲ جس نے تمام بوجھ بدر احد۔۔۔تک کے لئے اٹھائے۔

جواب کیا دوسرے صحابہ ان لڑائیوں میں چوڑیاں پہنے کھڑے رہے تھے۔عفراء کے وہ دو بیٹے ان کو بھول ہی گئے جنہوں نے ابوجہل جیسے بڑے گبر کو گرایا تھا اور حضرت ابن مسعود نے اس کی گردن کاٹی تھی جیسے حضرت داؤدؑ نے جالوت جیسے گبر کو قتل کیا جس کا ذکر قرآن پاک میں بھی آیا وقتل داو'د جالوت حالانکہ دوسری فوج نے بھی بڑے کارنامے دکھائے تھے مگر گبر کو مارنے والے کا تذکرہ خصوصیت سے کیا۔تو چاہیے تو یہ تھا کہ عفراء کے دو بیٹوں کو ذکر کیا جاتا مگر ان کا نام تک تم نہیں لیتے اور حضرت علیؓ ہی ذکر کرتے ہو

سوال ۲۳ قرآن حکیم کو سمجھنے کے لئے حدیث رسالت مآب ﷺ سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

جواب ٹھیک ہے کہ جہاں کلام اللہ کی تشریح کی ضرورت ہو وہاں حدیث کے محتاج ہیں جیسے اقیموا الصلوٰۃ میں حدیثی تشریح کی ضرورت ہے اور آتوا الزکوٰۃ میں حدیثی تشریح کی ضرورت ہے اور یہ ہیں فروعی امور۔مگر اصول دین میں قرآن نے حدیثی تشریح کی ضرورت باقی نہیں رکھی اصول دین کی وضاحت خود ہی کردی۔اگر امامت کا مسئلہ اصول دین میں سے ہوتا تو اس کے لئے حدیثی تشریح کی ضرورت نہ ہوتی۔

الحاصل

اس تمام سمع خراشی کا خلاصہ یہ ہے کہ اہل تشیع کی طرف سے جو دعویٰ کیا گیا ہے کہ پانچ اصول دین قرآن حکیم سے بڑی وضاحت کے ساتھ بیان ہیں۔

ان کا بلوری وضاحت کے ساتھ تو کسی طرح بیان نہیں بس اس کو طفل تسلی کہیے یا کوئی اور نام دیجئے۔ وضاحتی دلیل نہیں ہے جیسے کسی بھوکے سے سوال ہوا کہ بتا دو اور دو کتنے ہوتے ہیں تو اس بھوکے نے جواب دیا کہ چار روٹیاں۔

مشتے نمونہ از خروارے آپ اہل تشیع کے دعاوی کو قیاس کر لیں کہ وہ بھی اس طرح بلوری وضاحت کے ساتھ مدلل ثابت ہوں گے

ایک اعتراض اوراس کا جواب

یزید کے حکم سے مدینہ کی بے حرمتی کی گئی؟

کہا جاتا ہے یزید کے دور میں اموی فوج نے یزید کے کہنے پر مدینہ منورہ کی بے حرمتی کی۔ اور واقعہ حرہ میں جب مدینہ منورہ کے فسادی لوگوں کو شکست ہوگئی۔ امیر یزید کے حکم سے مسلم بن عقبہ نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ اوران کے لئے تین دن کی مدت مقرر کی۔ اہل مدینہ کے ساتھ بے ہودگی کی گئی۔ ساتھ ہی وہاں کے مردوں کا قتل عام کیا گیا اور تمام مال ومتاع لوٹ کرانہیں کھلی چھٹی دے دی گئی۔

بعض لوگوں نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ وہاں کی عورتوں کی عزتیں لوٹی گئیں۔ اور اگر کوئی شخص جب اپنی بچی کی شادی کرتا تو اس کو یہ معلوم ہوتا کہ وہ کنوارہ پن سے محروم ہو چکی ہے (لاحول ولاقوۃ الا باللہ) اور پھر ساتھ میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ واقعہ حرہ کے زمانہ میں پیش آیا۔

تمام تاریخ کی کتب میں اس واقعہ کے بیان میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔ ہم اگر تمام کتب تاریخ پر نظر ڈالیں اور اس واقعہ کی اصل حقیقت معلوم کرنا چاہیں تو ہمیں اپنی بنیادی تاریخ کی کتب پر نظر ڈالنا پڑے گی۔ سب سے پہلے تو تاریخ طبری ہی ہے۔ جو تمام مؤرخین کا اصل ماخذ ہے لیکن اس کے مصنف امام ابو جعفر طبری نے خود ہی اپنی کتاب کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ

ہم نے اپنی کتاب میں ماضی کے بعض واقعات ایسے ذکر کئے ہیں جنہیں ایک عام قاری ناپسند کرے گا اور سننے والا اسے مکروہ تصور کرے گا اور ایسا اس لئے ہوگا کہ

ان واقعات کی صحت درستگی کو ماننا مشکل ہوگا اور نہ ہی ان میں حقیقت کا جوہر ہوگا۔ ہر شخص کو جان لینا چاہیے کہ ہم سے پہلے ان واقعات کو کسی نے ذکر نہیں کیا ہم نے ان بعض ناقل حضرات پر اعتبار کر کے انہیں لے لیا جنہوں نے یہ واقعات ہم سے بیان کیے۔

پہلی بات جو واقعہ حرہ کے حوالہ سے سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ اس واقعہ کے تمام تر انحصار ابو مخنف یحییٰ الازدی پر ہے۔جس کا کہنا ہے

"امیر یزید کا لشکر یہاں پہنچا (مدینہ منورہ میں) اس لشکر کا قائد مسلم بن عقبہ تھا اس سے یزید نے کہا تھا کہ اگر تمہیں حادثہ پیش آجائے تو لشکر کی قیادت حصین بن نمیر کے سپرد کر دی جائے۔اسے حکم دیا گیا کہ اہل مدینہ کو اطاعت خلیفہ کی دعوت دینا وہ اس دعوت کو مان لیں تو اچھا ورنہ ان کے ساتھ جنگ کرنا۔جب ان پر غلبہ حاصل ہو جائے تو اس شہر میں لوٹ مار کی تین دن اجازت دے دینا یعنی مال اسلحہ اور اشیائے خوردنی جو میسر آئے اس پر سپاہیوں کا حق ہوگا"

مزید لکھا ہے

" مسلم بن عقبہ نے انہیں طلب کیا (اہل مدینہ کو) اور کہا کہ امیر یزید محسوس کرتے ہیں کہ تم لوگ دین اسلام کے حوالہ سے اور مسلم تاریخ کے حوالہ سے بہت اہم لوگ ہو۔میں تمہارا خون بہانا پسند نہیں کرتا اس لئے تمہیں تین دن کی مہلت دیتا ہوں۔

آگے کہتا ہے

" مسلم نے مدینہ منورہ کے بے حرمتی کو تین دن کے لئے جائز قرار دے دیا۔ لوگوں کو قتل کیا گیا مال چھین لیا گیا اور جو صحابہ اس وقت وہاں موجود تھے انہیں خوف زدہ کیا"

مدینہ کی بے حرمتی کے حوالہ سے ابو مخنف نے جو کہا وہ تاریخ طبری سے آپ

نے معلوم کر لیا یہی بنیادی روایت ہے اور تنہا ماخذ جس سے ہر شخص نے اس واقعہ کو قبول کیا۔

یاد رکھنا چاہیے ابو مخنف ایک ایسی شخصیت کا نام ہے کہ تراجم و تذکرہ کی کتابوں میں ذمہ دار حضرات نے اس کی ثقاہت کو چیلنج کیا اور اس سے ایک لمحہ کے لئے بھی ذمہ دار اور دیانت دار شخص تسلیم نہیں کیا

چنانچہ حافظ ذہبیؒ کہتے ہیں

ابو مخنف گپ باز شخص تھا۔ باتیں گھڑتا۔ اس کی توثیق نہیں کی جا سکتی۔

ابو حاتم وغیرہ نے اس کی روایت قبول نہیں کی۔

امام دارقطنیؒ کے بقول یہ ضیف تھا اور ابن معین کہتے ہیں یہ ثقہ نہ تھا

ابن عدی فرماتے ہیں کہ یہ شخص جلا بھنا شیعہ تھا۔

ایک ایسا شحص جو خبریں گھڑتا تھا۔ اس کی ثقاہت کا یہ حال ہے کہ کوئی شخص بھی اس کو مستند ماننے کو تیار نہیں۔ اس پر شیعہ ہونے کی تہمت ہے اس وجہ سے اس کی خبروں اور روایات کی حقیقت کھل جاتی ہے

استاذ محب الدین خطیبؒ اس کے مصادر کو غیر ثقہ کہتے ہیں عبدالمنعم ماجدؒ استاذ محب الدینؒ سے نقل کرتے ہیں کہ یہ صاحب شیعہ تھا علوی بزرگوں سے اسے ایسی عقیدت تھی جس میں غلو کا عنصر حاصل تھا۔

تمام مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ تاریخ طبری والا شیعہ کی جانبداری کرتا ہے اور کوئی بھی محقق کسی روایت کو قبول کرنے سے پہلے اس کی تحقیق کرے۔ پھر فیصلہ کرے۔ خاص کر ایسے واقعات کے متعلق جو اموی دور میں پیش آئے اور خصوصاً جو یزید کے دور میں

اور ایسا واقعہ مشہورہ پیش آئے۔ کیونکہ یہ دور شیعہ حضرات کے لئے انتہائی ناپسندیدہ دور ہے۔ اس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔ جسکا راوی بھی صرف ایک یعنی ابو مخنف ہو۔ نیز مدینہ کی بے حرمتی اور وہاں کے بسنے والوں کے ساتھ زیادتی کا واقعہ ایسا ہے کہ جس کو سواء ابو مخنف شیعہ کے اور کوئی راوی بیان نہیں کرتا۔ اور پھر خود طبری صاحب بھی ذاتی طور پر اس واقعہ کے معاملہ میں ابو مخنف کی روایت سے مطمئن نہیں ہیں۔ ایسی لئے انہوں نے دوسری روایات نقل کیں۔ انہوں نے ایک روایت نقل کی جس میں اس وفد کی عزت وتکریم کا ذکر ہے۔ جو اہل مدینہ کی طرف سے یزید کے پاس آیا تھا۔

اس روایت میں یزید کی طرف سے مسلم بن عقبہ کو اس حکم کا ذکر بھی نہیں جس میں مدینہ منورہ میں تین دن تک لوٹ مار کی اجازت ہے۔

اس میں یہ ذکر ہے "لوگ شکست کھا گئے اس ضمن میں خندق میں گر کر پریشانی اٹھانے والوں کی تعداد مقتولین سے زیادہ تھی۔ اس کے بعد یزید کا لشکر مدینہ منورہ میں داخل ہوا وہاں کی آبادی سہم گئی اور گویا شکست کھا گئی۔ اس کے بعد مسلم بن عقبہ مدینہ منور میں داخل ہوئے انہوں نے لوگوں کو بیعت کے لئے طلب کیا اور بتلایا کہ جو ایسا کرے گا اس کیلئے امیر یزید کی طرف سے مکمل امان ہوگی بلکہ اس کو عطایا سے بھی نوازا جائے گا"

تیسری روایت جس کو طبری نے نقل کیا وہ ابو مخنف کی روایت سے بالکل مختلف ہے یہ روایت عوانہ بن حکیم کی ہے۔ اس میں ہے کہ مسلم بن عقبہ نے لوگوں کو قباء میں بیعت کیلئے جمع کیا۔ (نہ کہ مدینہ میں) تو تمام لوگوں نے بیعت کر لی۔ اور جن چند لوگوں نے کچھ گڑبڑ کی ان کو سزا دی گئی اور بس۔

تو وہب بن جریر اور عوانہ بن حکیم کی روایت میں کہیں ذکر نہیں کہ یزید نے مسلم بن

عقبہ کو مدینہ میں تین دن قتل وغارت کا حکم دیا ہو۔ تو اس قسم کا حکم تو مشکوک ہے کہ جس میں کہا گیا ہو کہ تین دن وہاں قتل وغارت کی گئی۔ عزتیں لوٹیں گئیں اور خواتین کو باندھیاں بنایا گیا۔

یہ سب جھوٹ کا پلندہ ہے۔

کسی صحیح روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا۔ اب اگر کوئی بھی تاریخ لکھنے والا لکھتا ہے تو وہ صرف طبری پر اعتماد کر کے لکھتا ہے۔ اور طبری کا دارومدار صرف ابو مخنف ہے۔

نیز ایک کتاب ابن اثیر کی ہے "الکامل فی التاریخ" اور ابن اثیر کی وفات ۶۳۰ھ ہے۔ تو گویا ابن اثیر کا زمانہ ۵۶۶ سال بعد کا ہے۔

اور ابن اثیر کی کتاب کا مآخذ بھی وہی طبری ہے۔ چنانچہ خود ابن اثیر اپنی کتاب کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ

" میں نے اس تاریخ کبیر کے ذریعہ اپنی کتاب کی ابتداء کی جسے امام ابو جعفر طبری نے مرتب کیا۔ وہ کتاب (طبری) ایسی ہے کہ سبھی لوگ اس کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اختلاف کے وقت اس پر اعتماد کرتے ہیں۔ جو اس کتاب میں ہے وہ سارے کا سارا میں نے اس طرح لے لیا کہ راویوں تک کا پورا لحاظ رکھا اور کسی ایک راوی کے معاملہ میں بھی خلل انداز نہیں ہوا۔ طبری نے اکثر حوادث وواقعات کے ضمن میں کئی کئی روایات نقل کی ہیں میری جمع کردہ روایات قریب قریب وہی ہیں۔ جہاں روایات کم ہیں یا نقص کا احساس ہوا وہاں میں نے تکمیل کر دی۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس کا اصل ماخذ بھی طبری ہی ہے اور ابن اثیر اسی پر اعتماد کرتے ہیں۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ابن اثیر نے ابو مخنف کی روایت بھی طبری سے ہی نقل کی۔ اور پھر ابن اثیر نے وہی انداز رکھا چنانچہ لکھتے ہیں کہ

مسلم بن عقبہ نے مدینہ منورہ کو تین دن کیلئے مباح کر دیا۔ لوگوں کو قتل کیا گیا۔ ان کے مال ومتاع کو لوٹا گیا۔ جس کی وجہ سے صحابہ کرامؓ خوف زدہ ہو گئے۔ اس میں ذکر نہیں کہ آبرو ریزی کی گئی۔ اور عورتوں کو لونڈیاں بنایا گیا وغیرہ وغیرہ۔

لہٰذا یہ تمام تاریخ والے طبری پر ہی اعتماد کرتے ہوئے مکھی پر مکھی مارتے ہوئے لکھتے چلے جاتے ہیں۔

ہاں ایک ماخذ اور بھی ہے اور وہ ہے تاریخ یعقوبی۔ یہ شخص بھی تفضیلی شیعہ ہے اس نے اپنی کتاب میں جابجا شیعہ عقائد کا ذکر کیا اور شیعہ کے اماموں سے بہت روایات اور اقوال نقل کیے۔ لہٰذا اس کی تاریخ پر اعتماد کرنا بھی ٹھیک نہیں۔

ایک اور مسعودی کی کتاب مروج الذہب ہے۔ جس پر بہت سے مورخین نے اعتماد کیا ہے۔ اس واقعہ میں وہ بھی صرف یہ لکھتے ہیں کہ لوگوں سے اس بات پر بیعت کرلی گئی۔ کہ وہ یزید کے غلام ہیں اور جس نے اس سے انکار کیا۔ اس کا فیصلہ تلوار سے کیا۔ اس کے علاوہ کچھ اور نہیں لکھا۔

نیز کتاب الامامة والسیاست جو کہ ابن قتیبہ کی طرف منسوب ہے۔ لیکن جیسے کہ تمام مؤرخین جانتے ہیں کہ یہ کتاب ابن قتیبہ کی نہیں۔ ان کی طرف منسوب ہے

نیز ابن عربی العواصم من القواصم میں لکھتے ہیں کہ

ابن قتیبہ کا معاملہ جہالت پر مبنی ہے اور حضرات صحابہ کرامؓ کے متعلق جو اس میں لکھا ہے اگر اس کو صحیح تسلیم کرلیں تو کہنا پڑے گا کہ یہ صحابہ کرامؓ کے نام تھوپ دیا گیا ہے۔

اس کتاب کی نسبت ابن قتیبہ کی طرف مشکوک ہے

علامہ ابن عربی لکھتے ہیں کہ کتاب الامامة والسیاست ' جہل ' غباوت ' رکاکت کا

مجموعہ ہے۔اس کے مؤلف مصر کے دو بزرگ علماء سے بکثرت روایات نقل کرتے ہیں۔جبکہ ابن قتیبہ مصر میں گئے ہی نہیں۔اور نہ ان دونوں عالموں سے انہوں نے کچھ لیا۔ لہٰذا یہ بات مشکوک ہے کہ یہ کتاب ابن قتیبہ کی ہے۔تو اب اس کا اعتبار بھی کچھ نہ رہا۔

مارغلیوث مستشرق کا کہنا ہے کہ ایک دوسری کتاب " الامامۃ والسیاسۃ " "المعارف" کے مؤلف کی ایسی ہے جس میں سے دونوں کا اختلاف ہر اعتبار سے بڑا واضح ہے۔یہ کتاب "الامامۃ" حکومت اسلامی کی تاریخ ہے جس میں مؤلف نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہارون الرشید عباسی مرحوم کی وفات تک کے حالات درج کیے ہیں۔اس کو دیکھا جائے تو کہنا پڑتا ہے کہ یہ کتاب ابن قتیبہ کی نہیں۔صورتِ حال یہ ہے کہ اس کتاب میں بنو امیہ کے کھاتہ میں بہت کچھ ڈالا گیا خاص طور پر واقعہ حرہ کے حوالہ سے جلد اول کے آخر میں خوب نمک مرچ لگا کر اس واقعہ کو بیان کیا گیا اور بنو امیہ کے لشکریوں کو خوب خوب متھم کیا گیا کہ انہوں نے تین دن کے اندر یہ کیا اور وہ کیا اور جب ہم دوسری جلد کو دیکھتے ہیں تو اسی واقعہ کے متعلق ایک نئی تصویر سامنے آتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ جناب مؤلف پہلی جلد میں اپنا لکھا بھول گئے اسی کو کہتے ہیں "دروغ گورا حافظہ نہ باشند"۔

تاریخ کی ایک کتاب الفخری فی آداب السلطانیہ۔اس کے مصنف موصل (شام) کے رہنے والے ہیں اس کا زمانہ بھی بہت بعد کا ہے۔اور پھر یہ بھی شیعہ ہے ان کی کتاب سے بھی کا شیعہ ہونا ثابت ہے۔

بہر حال ماخذ سب کا وہی طبری ہی ہے۔اور طبری کا ابو مخنف کی روایت پر انحصار

ہے اور ابو مخنف کا حال آپ دیکھ چکے ہیں۔
آپ یہ بھی دیکھ چکے ہیں کہ تمام مؤرخین کا زمانہ اس واقعہ کے بہت بعد کا ہے۔اس لئے زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ پھر مؤلف حضرات اور راویوں کے شخصی رجحانات کو بھی مدنظر رکھنا پڑتا ہے تب جا کر اصلی صحیح بات کا فیصلہ کرنا پڑتا ہے۔
اب دورِ حاضر کے مؤرخین بھی جو لکھتے ہیں وہ بھی طبری پر اعتماد کرتے ہیں اور طبری اس ابو مخنف کی روایات کا سہارا لیتے ہیں اور وہ بھی اکیلا ہے۔ اور جو راویات اس کے علاوہ ہیں اس میں اس قسم کے الفاظ ہی نہیں۔
لہٰذا تاریخ تاریک ہے اور جب اصل ہی تاریک ہو تو نقل در نقل تمام ہی تاریک ہو گی۔

کعبۃ اللہ کا جلایا جانا

اموی عہد میں یزید کے دور میں ایک واقعہ اور بھی ہوا جس کو تمام مؤرخین نے بہت اُچھالا۔ وہ واقعہ ہے کہ کعبۃ اللہ کا جلا جانا۔ اور اموری فوج پر یہ بہتان لگایا جاتا ہے کہ انہوں نے یہ کام اس وقت کیا جب کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا انہوں نے محاصرہ کیا ہوا تھا۔

مؤرخین نے اس واقعہ کو بھی بگاڑ کر پیش کیا اور اصل حقیقت کو نظر انداز کر دیا

اس واقعہ میں جو روایات آتی ہیں وہ بھی طبری کے حوالہ سے ہیں

طبری نے تین روایات نقل کی ہیں

﴿۱﴾ واقدی کی راویت جس میں انہوں نے کہا کہ

"عبداللہ بن زبیرؓ کے ساتھیوں نے کعبہ کے اردگرد آگ جلادی اس سے شعلے بھڑ کے تو ہوا ان کو اڑا کر لے گئی۔ اس کے نتیجہ میں بیت اللہ کا غلاف اور چھت کی لکڑیاں جل گئیں۔

﴿۲﴾ دوسری روایت عروۃ بن اذینہ سے منقول ہے اس میں ہے کہ

"میں اپنی والدہ کے ساتھ مکہ معظمہ آیا یہ اس دن کی بات ہے جس دن کعبہ جل کر راکھ ہوا میں نے کعبہ کی طرف آگ بڑھتی دیکھی۔ میں نے مزید دیکھا کہ جل جانے کی وجہ سے وہ غلاف کے بغیر رہ گیا۔ رکن یمانی سیاہ ہوگیا اور تین جگہ دراڑیں پڑ گئیں۔ میں نے اس کا سبب معلوم کیا تو لوگوں نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے احباب میں سے ایک شخص کی طرف اشارہ کیا اور بتلایا کہ اس کی وجہ سے کعبہ جلا ہے۔ اس شخص نے اپنے نیزہ کی انی پر ایک انگارا باندھا اور اسے کعبہ کے پردہ میں ڈال دیا۔ رکن یمانی اور حجرہ اسود کے درمیانی حصہ میں آگ بھڑکی جس سے یہ سب کچھ راکھ ہوگیا"

﴿۳﴾ تیسری روایت عوانہ بن الحکم کے حوالہ سے ہے جس میں ہے کہ

" جب ربیع الاول کے تین دن گزر گئے" یہ ۶۶ھ کا قصہ ہے اور ہفتہ کا دن تھا تو ان لوگوں نے بیعت اللہ کو منجنیق سے اڑا دیا اور آگ سے جلا دیا"

ان تین راویات میں سے آخری روایت جو عوانہ بن الحکم کی ہے اس میں اموی لشکر کو کعبۃ اللہ جلانے کا الزام دیا گیا ہے۔ لیکن یہ راویت اس قابل نہیں کہ اسے دوسری دونوں روایات کے بالمقابل تحقیق ونظر کے پیمانہ سے معتبر سمجھا جائے۔ ان دونوں روایتوں میں اس بات کی کم ازکم تصریح ہے اور وہ دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ یہ کام حضرت ابن زبیرؓ کے لشکریوں کے ہاتھوں ہوا ۔ یہ تصریح اس ابو مخنف کی طرف سے ہے جو شیعوں کا معتبر راوی ہے اور جسے امام طبری اس حیثیت سے یاد کرتے ہیں۔ اس دور وزمانہ (عصر بنی امیہ) کے واقعات کے حوالہ سے ابو مخنف ہی سب سے بڑھ کر باتیں کرتا ہے اور یہ بھی امر واقعہ ہے کہ اسے بنو امیہ سے بال برابر محبت ودوستی کا تعلق نہیں ان صاحب نے بنوامیہ کے حوالہ سے کعبہ کی مطلق بات نہیں کی جس طرح کہ دوسرے

مصادر سے معاملہ سامنے آتا ہے۔

صاحب فتوح البلدان نے ایک روایت ذکر کی ہے کہ

"جب جناب عبداللہ بن زبیرؓ مسجد حرام میں قلعہ بند ہو گئے اور وہاں پناہ چاہی حصین بن نمیر السکونی اہل شام میں سے وہاں مصروف قتال تھا۔ ایک دن ان کے احباب میں سے ایک شخص نے اپنے نیزے کی انی پر آگ کا فتیلہ باندھا۔ اس وقت ہوا خوب چل رہی تھے۔ اس سے شعلے بلند ہوئے۔ یہی شعلے کعبۃ اللہ کے پردے کو جلانے کا سبب بنے۔ ساتھ ہی دیواروں میں دراڑیں پڑ گئیں اور دیواریں سیاہ ہو گئیں۔ یہ قصہ ۶۴ھ میں پیش آیا"

بلاذری کی روایت بڑی واضح ہے اس میں اس بات کی نص ہے کہ محاصرہ کے دروان کعبۃ اللہ کو جو حادثہ پیش آیا اس کا باعث عبداللہ بن زبیرؓ کے لشکری تھے۔ بلاذری نے اموی لشکر پر اس اتہام والزام کا قطعاً ذکر نہیں کیا۔

تیسرا مصدر "اخبارِ مکہ" ہے جس کے مؤلف ازرقی ہیں جن کی وفات قریباً ۲۴۴ھ میں ہوئی۔ طبری میں جن روایات کا تذکرہ ہے وہ ذرا تفصیل کے ساتھ یہاں سامنے آتی ہیں ان کے ذکر کرنے سے معلوم ہو جائے گا کہ کعبۃ اللہ کے جلنے کا باعث اصحاب ابن زبیرؓ تھے انہی کی طرف سے یہ سانحہ رونما ہوا۔ بنو امیہ کی طرف سے منجنیق سے ڈھانے یا جلانے کا کوئی قصہ ہی نہیں۔

﴿۱﴾ محمد بن یحییٰ سے مؤلف نے نقل کیا انہوں نے واقدی سے۔ واقدی نے عبداللہ بن جعفر سے پوچھا کہ اے ابوعونؒ۔ کعبہ کب اور کیسے جلا؟ تو انہوں نے فرمایا ہفتہ کے دن جب کہ چند راتیں ربیع الاول کی گزر گئی تھیں اور یہ قصہ امیر یزید کی خبر وفات سے ۲۹ دن قبل کا ہے۔

کہتے ہیں کہ اس کا سبب کیا ہوا؟ انہوں نے کہا کہ ہم میں سے ایک صاحب مسلم

بن ابی خلیفہ المذ حجی تھے وہ اوران کے رفقاء کعبہ کے اردگرد آگ جلاتے تھے۔ اس دن ہوا چل رہی تھی۔ ان صاحب نے ایک انگارہ اپنے نیزہ کی انی پر اٹھایا۔ وہی انگارہ کعبہ کے غلاف کوجلانے کا باعث بنا اور آگ چھت کی لکڑیوں تک پہنچ گئی۔

﴿ب﴾ مؤلف کہتے ہیں کہ میرے دادا نے مجمعہ سے بیان کیا ان سے سعید بن سالم نے اوران سے عثمان بن ساج نے' وہ کہتے ہیں کہ مجمع سے اہل مکہ کی ایک بڑھیا نے بیان کیا جو محاصرہ کے دوران عبداللہ بن زبیرؓ کے ساتھ تھیں۔ میں نے جب اس خاتون سے اس واقعہ کے متعلق پوچھا تو اس نے کہا مسجد حرام میں بہت سے خیمے نصب تھے ایک خیمے سے آگ جو اٹھی تو تمام خیموں کو جلاتی ہوئی کعبہ اللہ تک جا پہنچی یہاں تک کہ کعبہ جل گیا"

چوتھا مآخذ" لکامل " ہے جس کے مؤلف ابن اثیر ہیں۔ ابن الاثیر نے جن دو روایات کا ذکر کیا وہ مختلف اور متناقض ہیں

﴿ا﴾ پہلی روایت "انہوں نے کعبہ پر منجنیق ماری اور آگ سے جلا دیا"

﴿ب﴾ دوسری روایت ہے

" کعبہ اس آگ کی وجہ سے جلا جو ابن الزبیرؓ کے احباب نے کعبہ کے اردگرد جلا رکھی تھی۔ ایک شرارہ ہوا کی وجہ سے غلاف کعبہ پر جا پڑا جس سے غلاف ہی نہ جلا بلکہ چھت کی لکڑی بھی جل گئی

دونوں روایات نقل کرنے کے بعد ابن اثیر کہتے ہیں

" پہلی روایت زیادہ صحیح ہے کیونکہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں اس کا ذکر کیا کہ ابن الزبیرؓ نے کعبہ کو چھوڑ دیا تا کہ لوگ اس کو جلا ہوا دیکھ سکیں۔ ابن الزبیرؓ برابر لوگوں کو اہل شام کے خلاف لڑنے پر بھڑکا رہے تھے"

یہ دلیل (جیسا کہ واضح ہے) ضرورت آئی ہے تا کہ بتلایا جا سکے کہ اموی لشکر کی منجنیقیں کعبۃ اللہ کو جلانے کا باعث بنی۔ اکثر و بیشتر اسی دلیل کو ابن الزبیرؓ کی ضد میں استعمال کیا جاتا ہے کہ انہوں نے بیت الحرام کو اس لئے آگ لگائی تا کہ اپنے لشکر کو جنگ کے لئے بھڑکا سکیں"

ابن الاثیر نے جو پہلی روایت نقل کی ہے یہ وہی روایت ہے جو عوانہ ابن الحکم کے ذریعہ نقل کی گئی جیسا کہ ابن الاثیر نے تصریح کی ہے۔

"بیت اللہ پر مسلسل منجنیق کے ذریعہ پتھر برسائے گئے اور پتھروں کے ساتھ ہی ـب برسائی گئی اور روئی وغیرہ کے فلیتون پر آگ لگا کر اس سے بھی کام لیا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کعبہ منہدم ہو گیا اور اس کی بنیادیں ڈھے گئیں۔

یاد رہے کہ مسعودی ایک ایسا ماخذ ہے کہ ایک مؤرخ بالخصوص یزید بن معاویہ کے عہد کے واقعات کے حوالہ سے اس کی طرف رجوع کرتے ہوئے بہت احتیاط سے کام لیتا ہے کیونکہ وہ واضح طور پر شیعہ ہے بلکہ جیسا کہ پہلے ہم نے واضح کیا کہ وہ شیعہ کے اکابرین میں شامل ہے۔ اس حالت میں تنہا اس پر اعتماد کی کوئی گنجائش نہیں تا وقت کہ دوسرے ماخذ کی روایات سے اس کی روایات کا موازنہ نہ کر لیا جائے۔ جیسے وہ روایات جو اس ضمن میں طبری، اخبار مکہ، فتوح البلدان اور کامل وغیرہ میں آئی ہیں۔ ان کا ہم ذکر کر چکے ہیں آپ موازنہ کر سکتے ہیں۔

الحاصل ان تمام حوالہ جات سے جو نتیجہ سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ یزید کے زمانہ کے واقعات پر گہری نظر ڈالی جائے اور دقتِ نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ کعبۃ اللہ کا جلنا اموی لشکر کی کارستانی نہیں۔ بلکہ اکثر روایات اس پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ حادثہ جناب ابن الزبیرؓ کے لشکریوں کی وجہ سے پیش آیا اور یہ کہ بنو امیہ کا لشکر اس سے بری الذمہ ہے۔